جون ۱۹۹۱ء

ماہنامہ حکمتِ قرآن لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

حرفِ اوّل	عاکف سعید	۲
حکم و عبر	ڈاکٹر اسرار احمد	۵
ہدایت القرآن (۵۰)	مولانا محمد تقی امینیؒ	۲۲
حکمتِ اقبال (۳۲)	ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم	۲۸
این آئی ڈی یونٹ: ایک ضروری وضاحت	سراج الحق سید	۳۷
مرکزی انجمن کا انیسواں سالانہ اجلاس	ادارہ	۳۹
لغات اعراب قرآن (۲۴)	پروفیسر حافظ احمد یار	۴۳

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

☆ تنظیم اسلامی کیوں قائم ہوئی اور اس کے قیام کی اولین کوشش کب ہوئی؟
☆ اس کی "قرارداد تاسیس" قافلہ جماعت اسلامی سے جدا ہونے والے کن "اکابرین" کے اتفاق رائے سے منظور ہوئی تھی؟
☆ اولین کوشش میں ناکامی کے بعد دوبارہ اس کے قیام کا عزم کس نے کیا اور اس کا باقاعدہ قیام کب عمل میں آیا؟
☆ تنظیم اسلامی کے اساسی نظریات کیا ہیں اور اس کے پیش نظر اہداف و مقاصد کون کون سے ہیں؟
☆ امت مسلمہ کی چودہ سو سالہ تاریخ کے پس منظر میں تنظیم اسلامی کا محل و مقام کیا ہے؟
☆ تنظیم اسلامی کے بانی کا فکری و تحریکی پس منظر کیا ہے؟

ان تمام سوالات کے تفصیلی جواب کیلئے
تنظیم اسلامی کے درج ذیل تین اساسی کتابچوں کا مطالعہ ناگزیر ہے

------(۱)------

سلسلہ اشاعت تنظیم اسلامی نمبر ۱

تنظیم

عزم تنظیم

(سابقہ "سرافگندیم")

عمدہ طباعت، صفحات ۴۷، قیمت ۔/۷

------(۲)------

سلسلہ اشاعت تنظیم اسلامی نمبر 2

تنظیم اسلامی کا تاریخی پس منظر

صفحات ۴۸، عمدہ طباعت، قیمت ۔/۶

------(۳)------

سلسلہ اشاعت تنظیم اسلامی نمبر 3

تعارفِ تنظیم اسلامی

صفحات ۸۸، قیمت ۔/۷، عمدہ طباعت

-------- ملنے کے پتے --------

● مرکزی دفتر تنظیم اسلامی، ۶۷۔ اے، علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو۔ لاہور
● دفتر تنظیم اسلامی لاہور شہر، ۴۔ اے، مزنگ روڈ، نزد فیملی ہسپتال
● قرآن اکیڈمی، ۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن، لاہور

وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا

(البقرہ: ۲۶۹)

ماہنامہ

حکمتِ قرآن

لاہور

جاری کردہ: ڈاکٹر محمد رفیع الدین ایم اے، پی ایچ ڈی، ڈی لٹ، مرحوم

مدیر اعزازی: ڈاکٹر ابصار احمد ایم اے، ایم فل، پی ایچ ڈی

معاون مدیر: حافظ عاکف سعید، ایم اے (فلسفہ)

ادارۂ تحریر

پروفیسر حافظ احمد یار، حافظ خالد محمود خضر

جلد ۱۱ | جون ۱۹۹۱ء، ذوالقعدہ ۱۴۱۱ھ | شمارہ ۶

— یکے از مطبوعات —

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

۳۶۔ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور ۱۴۔ فون: ۸۵۲۲۶۱۱

سب آفس: ۱۰ دوزنہ متصل شادی گری، شاہراہ لیاقت کراچی فون ۲۶۵۸۰۰

سالانہ زرِ تعاون۔ ۴۰ روپے فی شمارہ۔ ۴ روپے

طبع: آفتاب عالم پریس ہسپتال روڈ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ اول

قرآن کالج میں ایف اے کے نئے داخلوں کا مرحلہ طے شدہ پروگرام کے مطابق طے پا گیا ہے اور الحمدللہ کہ یکم جون سے تدریس کا آغاز ہوگیا ہے ------ قارئین کو یاد ہوگا کہ اس بار ہم نے ایف اے کلاس کے نظام میں ایک اہم تبدیلی کا اعلان کیا تھا اور وہ یہ کہ اس سال سے قرآن کالج میں ایف اے کے طلبہ سے ہم ایک اضافی سال بھی لیں گے یعنی ایف اے دو سال کی مدت کے بجائے تین سال میں مکمل کرائیں گے۔ پیشِ نظر یہ تھا کہ اس اضافی وقت میں ایف اے کی نصابی تعلیم کے ساتھ ساتھ نہ صرف دینی تعلیم کا وہ بنیادی نصاب بھی طلبہ کو پڑھا دیا جائے جسے ہم نے قرآن کالج کے طلبہ کے لئے لازمی قرار دیا ہے اور جس میں عربی زبان کو مرکزی اہمیت دی جاتی ہے بلکہ دیگر دو زبانوں یعنی انگریزی اور اُردو میں بھی طلبہ کی بنیادی کمی کو پورا کرنے کی کوشش کی جائے تاکہ قرآن کالج سے فارغ ہونے والے طلبہ محض ڈگری یا سرٹیفکیٹ لے کر ہی رخصت نہ ہوں' قابلیت اور لیاقت کی پونجی بھی اپنے ساتھ لے کر جائیں ------ ہمیں یہ اندیشہ تھا کہ ایک اضافی سال کی شرط طلبہ کے لئے سدِّ راہ ثابت ہوگی اور بہت ہی کم طلبہ قرآن کالج کا رُخ کریں گے لیکن الحمدللہ کہ ہمارا یہ اندیشہ غلط ثابت ہوا۔ قارئین کی دلچسپی کے پیشِ نظر نئے داخلوں کے اعداد و شمار پیش خدمت ہیں۔

اس سال داخلے کے لئے کُل ۴۷ درخواستیں موصول ہوئیں۔ داخلہ ٹسٹ میں شریک ہونے والے طلبہ کی تعداد ۳۷ تھی۔ داخلہ ٹسٹ کی بنیاد پر ۶ طلبہ کو ناکام قرار دیا گیا جبکہ ایک طالب علم انٹرویو میں ناکام قرار پایا۔ اس طرح کل ۳۰ طلبہ داخلے کے اہل قرار پائے۔ ۳۰ میں سے ۴ طلبہ نے بعد میں رابطہ نہیں کیا۔ یوں ۲۶ طلبہ پر مشتمل نئی کلاس نے اپنے سفر کا آغاز کر دیا۔ میٹرک میں حاصل کردہ نمبروں کے اعتبار سے ان ۲۶ طلبہ کی تقسیم کچھ یوں بنتی ہے۔ ۳ طلبہ نے میٹرک کا امتحان فرسٹ ڈویژن میں' ۱۴ نے سیکنڈ ڈویژن میں اور ۶ نے تھرڈ ڈویژن میں پاس کیا' جبکہ ۳ طلبہ کا میٹرک کا رزلٹ ابھی

تک ڈیکلیئر نہیں ہوا ------ ان ۲۶ میں سے ۱۵ طلبہ ڈے اسکالرز کے ذیل میں آتے ہیں جبکہ ۱۱ طلبہ کو کالج ہاسٹل میں جگہ دی گئی ہے۔

مذکورہ بالا صورتِ حال اس اعتبار سے بھی ہمارے لئے باعثِ اطمینان ہے کہ ان میں سے اکثر طلبہ اپنے کُل اخراجات خود برداشت کر رہے ہیں اور اس پہلو سے انجمن یا قرآن اکیڈمی سے معاونت کے طلبگار نہیں ہوئے۔ چنانچہ اس سال تعلیمی خرچ یا ہاسٹل کے اخراجات میں رعایت چاہنے والے طلبہ کی تعداد پچھلے سالوں کے مقابلے میں بہت کم ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہمارے معاشرے کے کھاتے پیتے گھرانوں میں بھی کالج کی نصابی تعلیم کے ساتھ ساتھ عربی زبان اور قرآن حکیم کی جانب رُجوع بڑھ رہا ہے' اور یقیناً یہ نہایت خوش آئند بات ہے۔

نئے داخلوں کا یہ پہلو بھی ہمارے نزدیک اطمینان بخش ہے کہ اس سال ڈے اسکالرز کی تعداد ہاسٹل میں داخلہ لینے والوں سے زیادہ ہے۔ قرآن کالج کی مختصر سی تاریخ میں ایسا پہلی بار ہوا ہے۔ یہ رجحان اگر مزید ترقی کرے گا تبھی یہ ممکن ہو سکے گا کہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں طلبہ قرآن کالج سے استفادہ کر سکیں۔ اس لئے کہ کالج ہاسٹل کی گنجائش بہرحال محدود ہے اور آئندہ بھی محدود ہی رہے گی۔

مذکورہ بالا خوش آئند پہلو درحقیقت اللہ تعالیٰ کی خصوصی تائید و توفیق اور اس کے فضل و کرم کا نتیجہ ہیں اور اس پر اللہ کا تہہ دل سے شکریہ ہم پر واجب ہے۔ ہم اس معاملے میں رفقائے تنظیم اور اراکینِ انجمن کے بھی ممنون احسان ہیں جنہوں نے طلبہ کو قرآن کالج میں داخلے کے لئے ذہناً تیار کرنے پر خصوصی محنت کی اور اس طرح ہمارے ساتھ بالواسطہ تعاون کیا ------ ہم نے اللہ ہی کے بھروسے پر اس تعلیمی منصوبے کا آغاز کیا ہے اور ان شاء اللہ ہم ان طلبہ کی تعلیم و تربیت میں اپنی حد تک کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں گے۔ تاہم طلبہ کی تربیت کے معاملے اور بالخصوص ڈے اسکالرز کے سلسلے میں ہم ان کے والدین کے تعاون کی شدید احتیاج محسوس کرتے ہیں۔ اس ضمن میں کالج انتظامیہ کا ارادہ ہے کہ وہ ان شاء اللہ بہت جلد طلبہ کے والدین سے رابطہ قائم کرے گی۔

☆ ☆ ☆

حسبِ وعدہ مرکزی انجمن کے صدر مؤسس محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا وہ حالیہ

خطاب شاملِ اشاعت کر دیا گیا ہے جو انہوں نے ۲۶ر اپریل ۹۱ء کو انجمن کے انیسویں سالانہ اجلاس کے موقع پر ارشاد فرمایا تھا۔ پاکستان کے موجود الوقت حالات کس تشویشناک صورت حال کی غمازی کر رہے ہیں' اس کے بارے میں قرآن حکیم کا فیصلہ کیا ہے' نیز یہ کہ اصلاح حال کے لئے قرآن حکیم کیا راہ عمل تجویز کرتا ہے' ان تمام امور پر اس خطاب میں سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔

گزشتہ شمارے کے ادارتی صفحات میں ہم نے اس ارادے کا اظہار کیا تھا کہ آئندہ سے گاہے بگاہے مرکزی انجمن خدّام القرآن کی سرگرمیوں کی رپورٹ بھی "حکمتِ قرآن" میں شائع کی جاتی رہے گی' تاکہ قارئین "حکمتِ قرآن" اور احباب و رفقاء کو مرکزی انجمن کی دعوتی سرگرمیوں سے مسلسل آگاہی حاصل ہوتی رہے۔ اسی ضمن میں انجمن کی مجلسِ منتظمہ نے یہ فیصلہ بھی کیا ہے کہ آئندہ سے یہ پرچہ انجمن کے ان تمام اراکین کو اعزازی طور پر ارسال کیا جائے گا جو انجمن کا زرِ تعاون باقاعدگی سے ادا کرتے رہیں گے۔ یہ فیصلہ زیر نظر شمارے ہی سے نافذ العمل ہوگا۔ اس پہلو سے یہ مناسب خیال کیا گیا کہ مرکزی انجمن کے انیسویں سالانہ اجلاس کی رُوداد کو جو گزشتہ ماہ کے شمارے میں شامل تھی' اس تازہ پرچے میں بھی شائع کر دیا جائے تاکہ اس اہم اجلاس کی رپورٹ مرکزی انجمن کے تمام اراکین تک پہنچ جائے۔ اُن تک بھی جو لاہور کے علاوہ کسی دوسرے شہر میں مقیم ہونے کے سبب سے شریک اجلاس نہ ہو سکے اور اُن تک بھی جو لاہور کے رہائشی ہونے کے باوجود کسی سبب سے اجلاس میں شرکت نہ کر سکے۔

عَنْ عُثْمَانَ قَالَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَہٗ

(رواہ البخاری والترمذی وابوداؤد)

شریعت اسلامی
اور قرآن حکیم کے ساتھ ہمارا طرزِ عمل!
اور اس کے خوفناک نتائج و عواقب
آیاتِ قرآنی کے آئینے میں

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے انیسویں سالانہ اجلاس کے موقع پر
—— صدر مؤسّس' ڈاکٹر اسرار احمد کا خطاب ——

نَحمدہٗ و نصلّی علٰی رَسُولہِ الکریم

حضرات! آج کے دن کے لئے میں نے یہ طے کیا ہے کہ بجائے کسی رسمی نوعیت کے خطاب کے' قرآن حکیم ہی کی چند آیات کا درس دیا جائے۔ یوں اس کا ربط آج کل ہمارے انجمن کے ماہانہ درس کا جو پروگرام چل رہا ہے' اس کے ساتھ بھی قائم ہو جائے گا۔

آج کے درس کے لئے میں نے سورۃ السجدہ کی آیت نمبر۲۱ تا ۲۵ کا انتخاب کیا ہے اور اس کا میں ربط قائم کرنا چاہتا ہوں وقت کے سب سے اہم مسئلے یعنی شریعت بل کے ساتھ' جس پر آج جمعے میں بھی میں نے ڈیڑھ گھنٹے کی مفصّل گفتگو کی ہے۔ اس پہلو سے مناسب ہوگا کہ سورۃ السجدہ کی آیات پر براہِ راست گفتگو سے قبل خطابِ جمعہ میں بیان کردہ سورۃ المائدہ کی آیات کی بھی مختصر تشریح اور ترجمہ آپ کے سامنے پیش کر دوں۔

سب سے پہلے ہمیں سورۃ المائدہ کی آیت نمبر۴۴ پر اپنی توجہات کو مرتکز کرنا ہے۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّ نُوْرٌ ۚ

"ہم نے ہی تورات نازل فرمائی تھی' اس میں ہدایت بھی تھی اور نور بھی تھا"

يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا

"اسی کے مطابق فیصلے کرتے تھے وہ انبیاء جو خود بھی اللہ کے فرمانبردار تھے"

گویا اللہ کی اتاری ہوئی شریعت کے مطابق فیصلہ کرنے کے لئے سب سے پہلا Pre-requisite یا اولین شرط یہ ہے کہ اللہ کی شریعت کے مطابق فیصلہ کرنے والے پہلے خود اللہ کی شریعت کی پابندی کریں' ورنہ یہاں لفظ انبیاء کے ساتھ لفظ اسلام کی وضاحت اور صراحت غیر ضروری قرار پائے گی کہ نبی کا مقام تو بہت بلند ہوتا ہے اور اس کی فرمانبرداری مسلّم ہوتی ہے۔ انبیاء یہ فیصلے کن کے لئے کرتے تھے؟ فرمایا:

لِلَّذِيْنَ هَادُوْا "یہودیوں کے لئے"

اس لئے کہ تورات پوری نوعِ انسانی کے لئے نازل نہیں ہوئی تھی بلکہ سورۂ بنی اسرائیل میں وارد شدہ الفاظ "هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ" کے مطابق صرف بنی اسرائیل کے لئے رہنما بن کر نازل ہوئی تھی۔ اب اگلے الفاظ پر توجہ کیجئے: وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ کہ محض انبیاء ہی نہیں یہود کے ربانی اور احبار بھی یہی فریضہ سرانجام دیتے تھے۔ "ربانی" کا مفہوم ہے اللہ والا' ربّ والا۔ ہمارے ہاں "ولی اللہ" کا لفظ اسی معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ آج بھی یہودیوں کے یہاں ربانی کا لفظ ذرا سی تبدیلی کے ساتھ "ربائی" کے نام سے رائج ہے۔ احبار کے معنی ہیں علماء۔ "حبر" بہت بڑے عالم کو کہتے ہیں۔ اسی معنی میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کو "حبر الامۃ" کہا گیا ہے۔ اس لئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے خصوصی دعا فرمائی تھی: "اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ وَعَلِّمْهُ التَّاْوِيْلَ" کہ اے اللہ اس نوجوان کو دین کا فہم عطا فرما اور تاویل و تفسیر کا خصوصی علم عطا فرما۔ تو جو کام اللہ کے نبی کیا کرتے تھے' وہی اس امت یعنی یہود کے علماء اور ربانی کیا کرتے تھے' اس میں گویا اشارہ کر دیا گیا کہ امتِ مسلمہ میں بھی یہ کام علماء و صوفیاء کے کرنے کا ہے۔ ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اللہ کی شریعت کے مطابق فیصلے کریں۔ ان آیات میں ان کی ذمہ داری کے ضمن میں دو اصطلاحات اور آ رہی ہیں:

بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ

"سبب اس کے کہ وہ اللہ کی کتاب کے محافظ بنائے گئے تھے اور وہ تھے اس پر گواہ اور نگران!"

ان کی ذمہ داری تھی کہ وہ اللہ کی کتاب کی حفاظت اور نگرانی کریں اور اس پر گواہ بن کر کھڑے ہو جائیں۔ یعنی حدود اللہ کی نگہداشت و حفاظت اللہ والوں اور علماء کی سب سے

بڑی ذمہ داری ہے۔

فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ

"پس لوگوں سے مت ڈرو' (بلکہ) مجھی سے ڈرو!"

درحقیقت "حکم بِمَا اَنْزَلَ اللّٰہ" یعنی اللہ کی شریعت کے مطابق فیصلہ کرنے میں جو چیز سب سے بڑی رکاوٹ بنتی ہے' وہ لوگوں کی ناپسندیدگی ہوتی ہے۔ ہردم یہ اندیشہ لاحق رہتا ہے کہ یہ شریعت کی بات شاید لوگوں کو پسند نہ ہو' شاید اس دَور کے تقاضوں کے مطابق نہ ہو' یہ بات شاید ہمارے آقاؤں کو پسند نہ آئے' وغیرہ۔ آگے فرمایا:

وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا

"اور میری آیات کے عوض حقیر سی قیمت قبول نہ کرو"

دنیوی مفادات خواہ چھوٹے ہوں' خواہ بڑے' وہ درحقیقت حقیر ترین شے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: قُلْ مَتَاعُ الدُّنْیَا قَلِیْلٌ (النساء: ۷۷) اور حدیث میں آیا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: "اگر دنیا و مافیہا کی قیمت اللہ کے ہاں ایک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو وہ کسی کافر کو یہاں سے ایک گھونٹ پانی بھی عطا نہ کرتا"۔ گویا یہاں اللہ کے دین کے ساتھ کسی بھی قسم کی مداہنت سے منع کیا جا رہا ہے کہ دنیوی مفادات کی خاطر میری آیات اور میرے احکام کی سودے بازی مت کرو!

وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ○

"اور جو کوئی اللہ کی اتاری ہوئی (شریعت اور قانون) کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہی کافر ہیں"۔

یہ بہت بڑا فتویٰ ہے اور مفتی کون ہے؟ خود اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے۔ یہ حق اسی کا ہے کہ معیّن کرے کہ کون مومن ہے اور کون کافر یا منافق، چاہے وہ قانونی طور پر کافر نہ ہو۔ جیسا کہ اس وقت پوری دنیا کے مسلمان انفرادی گوشوں میں تو چاہے مسلمان ہوں' مومن ہوں' لیکن اس آیۂ مبارکہ کی رُو سے اجتماعی طور پر سب پر کُفر کا اطلاق ہو رہا ہے' کیونکہ ہم شریعت کے مطابق فیصلے نہیں کر رہے۔

آگے آیت نمبر ۴۵ کے آخر میں پھر فرمایا:

وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ○

"اور جو اللہ کی نازل کردہ (شریعت اور قانون) کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہی تو ظالم ہیں"۔

اور ظالم کی اصطلاح قرآن مجید میں خاص طور پر مشرک کے لئے استعمال ہوتی ہے۔ ہم چاہے بڑے موحد بنے پھرتے ہوں کہ ہم بتوں کو یا قبروں کو سجدہ نہیں کرتے' لیکن ان الفاظِ قرآنی کی رُو سے قومی سطح پر ہم سب مشرک ہیں' کیونکہ ہم اللہ کی اتاری ہوئی شریعت کے مطابق فیصلے نہیں کر رہے۔

اسی طرح آیت نمبر ۴۷ کا اختتام ان الفاظ پر ہوتا ہے:

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ○

"اور جو اللہ کے اتارے ہوئے احکام کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہی تو فاسق ہیں"

اللہ کی نازل کی ہوئی شریعت اور اس کے قانون کے مطابق فیصلے نہ کرنے کے جرم کی شدت کا اندازہ ذرا اس سے کیجئے کہ ایسے لوگوں کو ایک ہی رکوع میں کافر' ظالم اور فاسق قرار دیا گیا ہے۔

اب میں اسی رکوع کی آخری دو آیات آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔ ان آیات میں خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ فرمایا:

وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ

"اور (اے نبیؐ) آپ ان کے درمیان اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ کریں"۔

پہلے تورات والوں کے لئے تورات کے مطابق اور انجیل والوں کے لئے انجیل کے مطابق فیصلے کرنے کا حکم تھا' لیکن جب آپؐ پر قرآن نازل ہوا تو اب آپؐ کا فرض ہے کہ جو آپؐ پر نازل فرمایا گیا اس کے مطابق فیصلے کریں۔

وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ

"اور آپؐ ان کی خواہشات کی ہرگز پیروی نہ کریں"۔

آپ پر خواہ کتنا ہی دباؤ ڈالا جائے' لیکن آپؐ اللہ کے حکم میں کوئی مداہنت کرنے کے لئے آمادہ نہ ہوں۔ اگلے الفاظ اس سے بھی زیادہ اہم ہیں:

وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ

"اور ان سے ہوشیار رہئے کہ مبادا یہ آپؐ کو کسی ایسی چیز سے بچلا دیں جو اللہ نے آپؐ پر نازل فرمائی"۔

یہاں منافقین کی طرف اشارہ ہے' جو نام کے مسلمان تھے مگر آپؐ کو دباؤ کے ذریعے اللہ کی شریعت سے منحرف کر دینے کے خواہاں رہتے تھے' کہ آپؐ ان سے خبردار رہئے' ان کی چالوں اور سازشوں سے چوکنے اور ہوشیار رہئے' کہ کہیں یہ آپ کو کسی ایسی چیز سے منحرف ہونے پر مجبور نہ کر دیں' جو اللہ نے آپؐ پر نازل فرمائی ہے۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ

"پھر اگر یہ پیٹھ موڑ لیں تو (اے نبی) جان لیجئے کہ اللہ اس بات کا ارادہ کر چکا ہے کہ ان پر عذاب نازل کرے ان کے بعض کرتوتوں کی پاداش میں"۔

وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ○

"اور حقیقت یہ ہے کہ لوگوں کی بہت بڑی تعداد فاسقین پر مشتمل ہے"۔

یہ آیت ہماری آج کی صورت حال سے بہت ہی زیادہ متعلق ہے کہ قیام پاکستان کے ۴۵ برس بعد بھی یہاں نفاذِ شریعت کے بارے میں بہت ہی کم پیش رفت ہو سکی ہے۔ اور اس کی وجہ یہی ہے کہ ہم اپنے فسق و فجور کی روش ترک کرنے پر آمادہ نہیں ہیں۔

اب میں سورۃ الروم کی آیت نمبر ۴۱ کی طرف آ رہا ہوں' کیونکہ جیسا کہ اس آیت میں الفاظ آئے ہیں: "بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ" (ان کے بعض گناہوں کی پاداش میں)' یہی مضمون سورۃ الروم کی اس آیت میں ہے:

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِى النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِىْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ○

"بر و بحر میں فساد رونما ہو چکا ہے لوگوں کے اپنے ہاتھوں کے کرتوتوں کی وجہ سے' تاکہ اللہ تعالیٰ انہیں مزہ چکھائے ان کے بعض اعمال کا' شاید کہ وہ لوٹ آئیں"۔

اس آیت کا آخری ٹکڑا (لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ) بہت اہم ہے کہ شاید کہ وہ لوٹ آئیں۔ اگر انسان کو فراوانی سے رزق مل رہا ہو' عیش و آرام میسر ہو' تو انسان پر غفلت زیادہ

طاری ہوتی ہے' لہٰذا ہم انہیں خوابِ غفلت سے جگانا چاہتے ہیں۔ ان کو چھوٹے چھوٹے عذابوں کے ذریعے جھنجھوڑنا چاہتے ہیں' شاید کہ یہ لوٹ آئیں۔

اب یہیں سے سورۃ السجدہ کی ان آیات کا سلسلہ جُڑ رہا ہے' جن کا میں نے خاص طور پر آج کے لئے انتخاب کیا ہے:

وَلَنُذِيقَنَّهُمْ مِنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ○

"اور ہم انہیں لازماً مزہ چکھائیں گے چھوٹے عذاب کا' بڑے عذاب سے پہلے' شاید کہ یہ لوٹ آئیں"۔

یہ آیت اس اعتبار سے بہت اہم ہے کہ اس میں عذاب کے بارے میں دو الفاظ آئے ہیں: عَذَابِ الْأَدْنَىٰ اور عَذَابِ الْأَكْبَرِ۔ ادنیٰ کا معنی ہے قریب کا یعنی چھوٹا عذاب۔ اور اکبر' سب سے بڑا عذاب۔ قرآن مجید کی اصطلاح میں "عذابِ اکبر" سے مراد وہ عذاب ہے جس کے نتیجے میں کسی قوم کو نسیًا منسیًا کر دیا جاتا ہے اور اس کی جڑ کاٹ دی جاتی ہے۔ جیسے عاد' ثمود' قومِ لوطؑ اور آلِ فرعون وغیرہ پر اللہ کے عذاب اس شدت سے آئے کہ ان قوموں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا گیا۔ قرآن کے الفاظ ہیں:

"كَأَن لَّمْ يَغْنَوْا فِيهَا" (ایسے ہوگئے جیسے وہاں تھے ہی نہیں)

اور

"لَا تُرَىٰ إِلَّا مَسَاكِنُهُمْ" (اب نہیں دکھائی دیتے مگر ان کے مسکن)۔

ان کے بنائے ہوئے عظیم الشان گھر موجود ہیں' لیکن ان گھروں کے مکین نہیں رہے' صرف کھنڈرات موجود ہیں۔ جیسے کہ آج بھی غرناطہ میں الحمراء محل اور قرطبہ میں مسجدِ قرطبہ موجود ہیں' مگر وہ مسلمان جنہوں نے یہاں آٹھ سو برس تک حکومت کی' اب کہیں نظر نہیں آتے۔ قرطبہ میں اگرچہ مسلمانوں کو ذرا پہلے بے دخل کر دیا گیا تھا' لیکن یہ جو جنوبی علاقہ ہے جس میں غرناطہ واقع ہے' اس میں مسلمانوں کی حکومت پورے آٹھ سو برس تک رہی ہے۔ اور "عذابِ ادنیٰ" سے وہ چھوٹے عذاب مراد ہیں جو لوگوں کو چونکانے اور بیدار کرنے کے لئے بھیجے جاتے ہیں تاکہ وہ ہوش میں آجائیں۔

اس وقت ہمارے ہاں صورت حال یہ ہے کہ عذابِ ادنیٰ کا ایک کوڑا ہماری پُشت پر پڑا تھا تو پاکستان دو لخت ہوا تھا۔ ہمارے ۹۳ ہزار کڑیل جوان اس ہندو کی قید میں رہے

جس پر ہم نے کم سے کم آٹھ سو برس حکومت کی تھی۔ ویسے اندرا گاندھی نے تو اسے اپنی ایک ہزار سالہ شکست کا انتقام قرار دیا تھا' لیکن بہرحال ۱۲۰۶ء سے ۱۸۰۰ء تک ساڑھے چھ سو برس تو دلّی میں ہماری حکومت رہی' جبکہ موجودہ پاکستان کے علاقے میں تو ایک ہزار برس پہلے سے ہماری حکومت شروع ہو چکی تھی۔ اس اعتبار سے یہ اوسطاً آٹھ سو برس بنتے ہیں۔ اللہ کا پہلا عذاب تو ہم پر یہ آیا کہ ہم سے حکومت چھین کر انگریز کو دے دی گئی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ہمیں پاکستان دیا اور اس کے قیام کے ۲۵ برس بعد تک ہمیں مہلت دی' اس لئے کہ وہ بہت حلیم ہے۔ لیکن اسلام کی طرف ہماری کوئی پیش رفت نہ ہونے کی وجہ سے ہمیں عذابِ ادنیٰ سے بایں صورت دوچار کیا گیا کہ پاکستان بالکل ختم نہیں کیا گیا' بلکہ اس کا ایک بازو کٹ کر بنگلہ دیش بن گیا۔ اور اب پھر مزید ۲۵ برس پورے ہونے کو آ رہے ہیں! قیام پاکستان کو نصف صدی گزرنے میں بمشکل ۳ برس باقی رہ گئے ہیں۔ اس اعتبار سے یہ بڑا ہی قابلِ غور مسئلہ ہے!

اب اگلی آیت پر توجہ مرکوز کیجئے:

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا ۭ اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ ○

"اور اُس شخص سے بڑا ظالم کون ہوگا' جسے اُس کے ربّ کی آیات کے ذریعے سے یاددہانی کرائی گئی ہو' اس کے باوجود اُس نے ان (آیات) سے اعراض کیا۔ ایسے مجرموں سے تو ہم لازماً انتقام لے کر رہیں گے"۔

اس آیۂ مبارکہ کو بھی اپنے حالات پر منطبق کر کے دیکھئے۔ اس ملک میں رجوع الی القرآن کی ایک بھرپور دعوت گزشتہ ربع صدی سے جاری و ساری ہے۔ دروسِ قرآنی کے ایک وسیع سلسلے' ٹی وی پروگرام "الہدیٰ" اور دیگر متعدد ذرائع سے یہاں آیاتِ ربّانی کے ذریعے جو تذکیر کروائی گئی ہے' وہ ہم پر اتمامِ حجت بن سکتی ہے۔ آیت کے آخری الفاظ بہت سخت ہیں' جہاں "مُنْتَقِمُوْنَ" اسم فاعل لایا گیا ہے جو تاکید کے لئے آتا ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ "نَنْتَقِمُ" کہ ہم انتقام لیں گے' بلکہ فرمایا: اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ ○ کہ ہم ایسے مجرموں سے تو لازماً انتقام لے کر رہیں گے۔ یہ وہ صورت حال ہے جس کے زمرے میں قومی سطح پر ہم سب آتے ہیں۔ اور وابستگانِ انجمنِ خدّام القرآن بھی اس سے

بری الذمّہ نہیں۔ ہم سب پاکستان کی مسلمان قوم کے افراد ہیں' ہم سب اس ملک کے شہری ہیں' اور ہم سب اللہ کی نگاہ میں مجرم ہیں۔ یہ نہ سمجھئے کہ کوئی خاص فرد' خاص طبقہ یا گروہ اس کا ذمہ دار ہے ------ بلکہ جو بھی یہاں کی فضا میں سانس لے رہا ہے اور یہاں کی سرزمین سے اُگنے والا اناج کھا رہا ہے' اگر اس نے اپنا سارا زور یہاں اسلام کے نظام کو قائم کرنے کے لئے صرف نہ کر دیا تو وہ اس جرم میں ملوّث شمار ہوگا۔ مستثنیٰ صرف وہی ہوگا جس نے اپنا تَن مَن دَھن اس مقصد کے لئے لگا دیا ہو۔ یہ ملک اسلام کے نام پر لیا گیا تھا اور پھر یہاں دعوتیں بھی اٹھی ہیں' تحریکیں بھی چلی ہیں' اور ایک براہ راست خالصتاً قرآن کی دعوت کا وسیع پیمانے پر چرچا بھی ہوا ہے' لیکن اس سب کے باوجود اگر ہم یہاں اسلام کے نظامِ عدلِ اجتماعی کے قیام اور اسلامی شریعت کے نفاذ سے دُور ہیں' تو ہم سب بہت بڑے خطرے سے دوچار ہیں۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ہمارا قومی وجود' ہماری آزادی اور ہمارا جداگانہ تشخّص' سب کے سب ایک بہت بڑے خطرے سے دوچار ہیں۔

اصلاحِ احوال کے ضمن میں ہماری کوشش و کاوش

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس صورتِ حال میں کیا کیا جائے؟ اس کا ایک پہلو تو یہ ہے کہ ایک عوامی تحریک برپا کی جائے جس کے بارے میں میں متعدد بار گفتگو کر چکا ہوں کہ اس کی کیا شرائط ہوں۔ سب سے پہلے یہ کہ اس کے لئے ایسے لوگ جمع ہوں جو پہلے اپنے آپ پر اور کم سے کم اپنے گھروں میں اسلام کا نفاذ کریں۔ اگر یہ منزل طے نہیں کر سکتے اور باہر آ کر اسلام کا نعرہ لگاتے ہیں تو یہ محض ایک فریب اور دھوکہ ہے۔ جو لوگ خود اپنے گھروں میں اور اپنی ذات پر اسلام کا نفاذ نہ کر سکتے ہوں اور پورے ملک میں اسلام کے نفاذ کے داعی بن کر کھڑے ہو جائیں تو ایسے لوگ اس جدوجہد میں مخلص قرار نہیں دیئے جا سکتے۔ دوسری شرط یہ کہ عوامی تحریک کے لئے لوگوں کو اتنا منظم ہونا چاہئے کہ وہ ایک نظم کے اندر رہتے ہوئے ایجی ٹیشن اور مظاہرے کریں۔ غیر منظم اور غیر تربیت یافتہ لوگوں کے ہاتھوں کوئی مثبت کام کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ تیسری شرط یہ کہ یہ تحریک مکمل طور پر پرامن ہو۔ اور اسے لے کر چلنے والی جماعت اس کی پوری ذمہ داری

قبول کرے کہ اگر کوئی توڑ پھوڑ ہوئی تو ذمہ داری ہماری ہوگی۔ ہم تنظیم اسلامی کے نام سے ایک ایسی ہی تنظیم منظم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں تاکہ ایک عوامی تحریک برپا کی جا سکے۔ اس موضوع کا تعلق اگرچہ انجمن خدام القرآن سے ہے' تاہم میں ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ سب باتیں آپ حضرات کے سامنے بھی آ جائیں۔ میں تو دیگر مذہبی اور دینی جماعتوں سے بھی بار بار درخواستیں کر رہا ہوں' ان کی خوشامدیں کر رہا ہوں کہ خدارا اپنے آپ کو اس پاور پالیٹکس سے الگ کر کے نفاذِ اسلام کی عوامی تحریک چلانے کی کوشش کرو۔

اب میں دوسری بات کی طرف آ رہا ہوں جس کا تعلق اگلی آیت سے ہے۔ فرمایا:

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ

"ہم نے ہی موسیٰ کو کتاب عطا فرمائی تھی' تو (اے نبیؐ) آپ ہرگز شک میں نہ رہیں اس کی ملاقات سے' اور اسے ہم نے بنی اسرائیل کے لئے ہدایت بنایا"۔

اس آیت کا درمیانی ٹکڑا "فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ" علمی بحث کا حامل ٹکڑا ہے' جس کے بارے میں مختلف آراء ہیں۔ ایک یہ کہ شبِ معراج میں حضورؐ کی جو ملاقات حضرت موسیٰؑ سے ہوئی تھی' اس کی طرف اشارہ ہے کہ اے نبیؐ آپ اس میں شک مت کیجئے' ملاقات حضرت موسیٰؑ سے ہی ہوئی تھی۔ اور دوسرا مفہوم یہ ہے کہ اس کتاب کے مِن جانب اللہ ہونے میں کوئی شک نہ کیجئے یا قرآن کے مِن جانب اللہ ہونے میں کوئی شک نہ کیجئے۔ اور اگلی آیت جس کی طرف میں خاص طور پر توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ ہے:

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ ○

"اور ہم نے ان میں ایسے امام اٹھائے' جو رہنمائی کرتے تھے لوگوں کی ہمارے حکم سے (ہمارے اذن اور ہماری توفیق سے) جبکہ انہوں نے صبر کی روش اختیار کی۔ اور وہ ہماری آیات پر یقین رکھنے والے تھے۔

یہ موضوع اصل میں انجمنِ خدام القرآن کا ہے۔ انجمن کا مقصد کیا ہے؟ قرآن کی ہدایت کو عام کرنا! اور اس کے لئے آج کل ابلاغ کے جو بھی وسائل و ذرائع ہیں' انہیں بروئے کار لاتے ہوئے ہم اس ہدایتِ قرآنی کو عمومی سطح پر پھیلانے کی اپنی سی کوشش کر رہے ہیں۔ انجمن کے پیشِ نظر دوسرا اہم کام ایسے نوجوانوں کی تربیت کا ہے جو ہدایتِ قرآنی کو وقت کی علمی سطح پر پیش کرنے کی استطاعت رکھتے ہوں۔ جہاں تک عوام کا تعلق ہے تو ان کے لئے قرآن کی ہدایت کو وعظ کی سطح پر پیش کرنا بھی بہت بڑی خدمت ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ وعظ نے ہماری امتِ مسلمہ کی تاریخ میں بہت بڑا رول ادا کیا ہے۔ اسی سے لوگوں کے دلوں سے غبار دُھلتے تھے اور اچھے جذبات ابھرتے تھے۔ چنانچہ عوامی سطح پر وعظ کی اہمیت آج بھی مسلّم ہے۔ تاہم اس سطح پر بھی وعظ و نصیحت قرآن ہی کے ذریعے سے ہونی چاہئے۔ بلکہ قرآن تو خود اپنے آپ کو "موعظت" سے تعبیر کرتا ہے۔ سورۂ یونس میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

یٰاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ الخ

"اے لوگو! تمہارے پاس آچکی ہے یہ موعظت تمہارے رب کی طرف سے' جو ان روگوں کا علاج بھی ہے جو سینوں کے اندر ہیں"۔

تو وعظ و نصیحت کے علاوہ تزکیہ بھی اسی قرآن کے ذریعے سے ہونا چاہئے۔ لوگوں کے اندر نیکی کے جذبات ابھریں گے تو قرآن ہی کے ذریعے ابھریں گے۔ لیکن اس عوامی سطح سے اہم تر سطح وہ ہے جو ہمارے معاشرے کی علمی سطح ہے۔ چنانچہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ذہین لوگوں کی سوچ کی سطح (Intellectual Level) پر ہدایتِ قرآنی کو پیش کرنے کے لئے نوجوانوں کی ایک جماعت کو تیار کیا جائے۔ اور درحقیقت قرآن اکیڈمی اور قرآن کالج کی مختلف اسکیموں' مثلاً فیلوشپ اسکیم' دو سالہ کورس اور ایک سالہ کورس وغیرہ کا مقصد یہی ہے کہ "**وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا**" کے قرآنی الفاظ کے مصداق ایسے اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں کی ایک کھیپ تیار ہو جائے جو باصلاحیت و باہمت ہوں' اور پھر لوگوں سے آج کی علمی سطح کے مطابق گفتگو کر سکیں۔

ایسے نوجوانوں کے اندر دو شرائط لازمی ہیں جو اسی آیۂ مبارکہ میں مذکور ہیں: (۱)

"لَمَّا صَبَرُوْا" کہ انہیں صبر کرنا ہوگا۔ اپنے کیریئرز کا نقصان گوارا کرنا ہوگا' کیونکہ اگر کسی کو "خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَہ" والا کام کرنا ہے تو پہلی شرط تو یہ پوری کرنا ہوگی کہ صبر کرنا ہوگا۔ دنیا میں کم سے کم پر قناعت کر کے اپنی صلاحیتیں اور توانائیاں اس مقصدِ عظیم کے لئے وقف کر دینی ہوں گی۔ (۲) "وَکَانُوْا بِاٰیٰتِنَا یُوْقِنُوْنَ" کے مصداق خود انہیں قرآن پر ذاتی یقین (Personal Conviction) حاصل ہونا ضروری ہے۔ اگر ذاتی یقین پیدا ہو تب ہی وہ جذبہ ابھرے گا کہ یہ سب سے بڑی دولت ہے۔ "ھُوَ خَیْرٌ مِّمَّا یَجْمَعُوْنَ"۔ دوسرے لوگ جو کچھ مال و اسباب جمع کر رہے ہیں اس سے کہیں بڑی دولت یہ قرآن ہے۔ میں دعا کرتا ہوں اور آپ بھی یہ دعا کریں کہ جن نوجوانوں نے بھی اپنا وقت فارغ کر کے ہماری دو سالہ اور ایک سالہ تعلیمی اسکیموں سے استفادہ کیا ہے اور کر رہے ہیں' ان میں سے اللہ تعالیٰ ایسے نوجوانوں کی ایک کھیپ معتد بہ تعداد میں نکال دے۔

میں پہلے بھی اپنے اس تأثر کا اظہار کر چکا ہوں کہ میں اللہ کے فضل و کرم سے مطمئن ہوں کہ میرے اندر جو توانائیاں' قوتیں اور صلاحیتیں تھیں وہ میں نے اس راہ میں لگا دیں اور میرے لئے یہ معاملہ ایک بڑے اطمینان کا موجب ہے کہ اب تک کم سے کم بیس پچیس ایسے نوجوان تیار ہو گئے ہیں جن میں یہ صلاحیت موجود ہے کہ جس انداز سے میں نے قرآن حکیم کو پیش کیا ہے اسی انداز سے وہ بھی پیش کر سکتے ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ ان کے اندر محنت کا وہ مادہ پیدا نہ ہو جو اس کام کے لئے مطلوب ہے' یا ان میں اس سے گہری شیفتگی پیدا نہ ہو' وہ اس طور پر صبر نہ کر سکیں اور دنیا اور اس کی رعنائیاں انہیں اپنی طرف کھینچ لے جائیں۔ چنانچہ اگر وہ "لَمَّا صَبَرُوْا وَکَانُوْا بِاٰیٰتِنَا یُوْقِنُوْنَ" کی شرائط پوری کر لیں تو وہ آج کی علمی سطح پر قرآن حکیم کو پیش کر سکتے ہیں۔ وہ بحمداللہ اس صلاحیت سے مسلح ہو چکے ہیں۔ ظاہر بات ہے کہ میں تو انہیں یہی کچھ دے سکتا تھا جو میں نے دے دیا ہے' باقی اللہ تعالیٰ کا فضل جس کے شاملِ حال ہو اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جس کو بھی اس کی توفیق ملے وہی یہ کام صحیح معنوں میں کر سکتا ہے۔ آپ بھی ان نوجوانوں کے لئے دعا کریں' کیونکہ سب سے بڑی دولت قرآن ہے' مال و اسباب نہیں۔ اور ان میں اگر یہ باتیں پیدا ہو جائیں تو ان شاء اللہ تعالیٰ یہ دعوت آگے بڑھے

گی ٬ پھلے پھولے گی اور اس کی برکات ظاہر ہوں گی۔
آج کے اس اجلاس میں پیش کردہ انجمن کی سالانہ رپورٹ میں میری کتاب "دعوت رجوع الی القرآن کا منظر اور پس منظر" کا تذکرہ بھی ہوا ہے۔ یہ کتاب میں نے پچھلے سال بڑی محنت کر کے تیار کی تھی۔ مجھے نہیں معلوم کہ انجمن کے وابستگان میں سے کتنوں نے اس کو پڑھا ہے۔ آپ میں سے جس نے اسے نہیں پڑھا اس سے مجھے شکایت بھی ہے اور شکوہ بھی! مجھے بتائیے کہ آپ کی انجمن سے وابستگی کے معانی کیا ہیں اگر آپ وہ کتاب بھی نہیں پڑھ سکتے جس میں آپ کو میری پچیس برس کی محنت کا جو بھی حاصل ہے اس سے واقفیت حاصل ہو گی۔ پھر یہ کہ اس دعوت کا تاریخی پس منظر کیا ہے۔ برعظیم پاک و ہند میں رجوع الی القرآن کی تحریک شروع کہاں سے ہوئی۔ یہاں کے مسلمان کا رشتہ تو قرآن سے کٹا ہوا تھا اور وہ ؎

"خوار از مہجوریٔ قرآں شُدی ٬ شکوہِ سنجِ گردشِ دوراں شُدی"

کے مصداق قعرِ مذلت میں گر چکا تھا۔ ایسے میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ نے رجوع الی القرآن کی تحریک کا آغاز فرمایا۔ اس کتاب میں میں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ یہ تحریک کن کن مراحل سے گزری ہے اور اب ہمیں اللہ تعالیٰ نے اس میں کیا کیا کام کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ الحمدللہ ہم اس قافلے کے شریک ہیں جس کے قائد شاہ ولی اللہ دہلویؒ ہیں۔ ان کے چاروں صاحبزادوں نے قرآن حکیم کی تفسیریں لکھی ہیں۔ ان میں سے اگرچہ صرف دو یعنی شاہ عبدالقادرؒ اور شاہ رفیع الدین دہلویؒ اور ان کے تراجم مشہور ہوئے ہیں لیکن دوسرے دو صاحبزادوں نے بھی ترجمہ و تفسیر کا کام کیا ہے۔ شاہ عبدالعزیزؒ کی تفسیرِ عزیزی اور شاہ عبدالغنی کا ترجمۂ قرآن آج بھی موجود ہیں ٬ صنم خانۂ ہند میں از سرِ نو قرآن کی شمع روشن کی۔ اس کے بعد جو بھی سلسلے چلے ہیں ٬ میں نے اس کتاب میں سب لکھے ہیں۔ پھر یہ کہ آج اسلام کو کس درجے پر پیش کرنے کی ضرورت ہے ٬ یہ میں "اسلام کی نشاۃ ثانیہ ۔ کرنے کا اصل کام" میں پہلے سے واضح کر چکا تھا ٬ جسے در اصل اس انجمن کے "Manifesto" کی حیثیت حاصل ہے۔ یہ تحریر میں نے ۱۹۶۷ء میں لکھی تھی اور اس میں ایک قرآن اکیڈمی کا خاکہ پیش کیا تھا اور میں بڑا مطمئن ہوں کہ میرے اس تصور نے میری زندگی ہی میں عملی صورت اختیار کر لی۔ ورنہ آدمی ایک

خواب دیکھ لے اور وہ خواب اس کی زندگی میں پورا نہ ہو تو ظاہر بات ہے کہ دنیا سے حسرت لے کر جائے گا۔

علامہ اقبالؒ نے خواب دیکھا تھا کہ ایک ایسی درسگاہ بنائی جائے جہاں گریجویٹس کو قرآن پڑھایا جائے' لیکن یہ خواب وہ اپنے ساتھ ہی لے کر قبر میں چلے گئے۔ حالانکہ اس کے لئے نیاز علی صاحب نے زمین وقف کر دی تھی اور عمارتیں بھی بن گئی تھیں۔ لیکن اس کے لئے مطلوبہ معیار کے معلّم ہی دستیاب نہ ہو سکے۔ علامہ اقبال وہاں پر گریجویٹس کو قرآن اور دیگر علوم دینیہ کی تعلیم انگریزی میں دینا چاہتے تھے (یاد رہے کہ یہ ۱۹۳۰ء کے گریجویٹس تھے) اور ان کا خیال تھا کہ مصر سے ایسا عالم میسّر آ جائے گا جو تعلیم و تدریس کا یہ فریضہ سرانجام دے سکے۔ لیکن اس کے لئے جب انہوں نے جامعۃ الازہر کو خط لکھا تو وہاں سے جواب نفی میں ملا۔ چنانچہ وہ اسکیم جُوں کی توں رہ گئی۔ یہی خواب کبھی مولانا ابوالکلام آزاد نے دیکھا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ قرآن کے ایسے مبلغین پیدا کئے جائیں جو پورے ملک میں پھیل کر لوگوں میں قرآن کا پیغام پھیلائیں۔ اس کے لئے انہوں نے دارالاشاعت قائم کیا' جس کی عمارت کی تعمیر کے بعد کام کا آغاز بھی ہو گیا تھا۔ مگر چونکہ وہ خود ملک کی سیاست کے اندر صرف گھٹنوں تک ہی نہیں بلکہ گردن تک پھنس گئے' لہٰذا وہ کام نہیں ہو سکا۔

اس پس منظر میں میں اپنے آپ کو نہایت خوش قسمت انسان سمجھتا ہوں کہ میں نے ۱۹۶۷ء میں ایک خواب دیکھا تھا' جبکہ اس کے لئے وسائل و ذرائع بھی بہت محدود تھے۔ جب میں نے کام شروع کیا تھا تو یکمشت پانچ پانچ ہزار روپے چندہ دینے والے بمشکل بیس افراد مل سکے تھے۔ اور اس طریقے سے میں نے اس وقت ایک لاکھ روپے کا بجٹ جمع کیا تھا۔ اور اس ایک لاکھ روپے سے کام کا آغاز کرنے والی انجمن کے آج صرف اثاثے (Assets) دو کروڑ روپے کے ہیں۔ یہ بات خود میرے لئے حیرت کا باعث ہے۔ بہرحال میں پورے اطمینان سے کہہ سکتا ہوں کہ اس میں نہ کوئی پٹرو ڈالر ہے' نہ کسی شیخ کی مدد ہے' اور نہ ہی کسی مقامی یا بیرونی حکومت کا ایک پیسہ بھی اس میں شامل ہے۔ باقی جہاں تک خرچ کا تعلق ہے تو میں کہہ سکتا ہوں کہ میں نے آج تک انجمن کے پیسے کو ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ حسابات کے ضمن میں اللہ نے آغاز ہی میں ایک بات سمجھا دی تھی' جس کے

مطابق یہ معاملات بڑی خوش اسلوبی سے چل رہے ہیں۔ چنانچہ انجمن کا ایک اکاؤنٹ (CA/I) وہ ہے جس میں انجمن کے نام تمام رقوم جمع ہوتی ہیں' لیکن اس میں سے نقد ایک پیسہ بھی نہیں نکلوایا جا سکتا۔ اخراجات کے لئے دوسرا اکاؤنٹ (CA/II) ہے۔ میرے چیک سے رقوم (CA/I) سے (CA/II) میں منتقل ہوتی ہیں' جہاں سے اخراجات کے لئے ناظمِ اعلیٰ اور ناظمِ بیت المال مشترکہ طور پر رقم نکلوا سکتے ہیں۔

بہرحال آج اللہ کے فضل و کرم سے اکیڈمی بھی قائم ہے اور اس کی کوکھ سے قرآن کالج بھی جنم لے چکا ہے' جس پر قرآن آڈیٹوریم کا تاج بھی رکھا جا چکا ہے۔ مزید برآں کراچی میں اکیڈمی کی تعمیر شروع ہو چکی ہے جس پر ۴۵ لاکھ روپے خرچ ہو چکے ہیں۔ اس کے اوپر جو ہال بنے گا وہ ہمارے اس مسجد ہال سے تین گنا بڑا ہو گا۔ اس مرتبہ دورۂ ترجمۂ قرآن میں وہاں خاصی رونق رہی ہے۔ ستائیسویں شب کو تو نیچے کا پورا ہال اور اوپر کی پوری چھت کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ شبِ جمعہ میں بھی کم از کم چار پانچ سو افراد پوری رات موجود رہتے تھے۔ دورۂ ترجمہ کا یہ پروگرام سوا نو بجے سے سوا تین بجے تک جاری رہتا تھا۔ ظاہر ہے کہ اتنی دور دراز جگہ پر اتنے لوگ درسِ قرآن ہی کی خاطر آتے تھے' وہاں کوئی سیاسی یا فرقہ وارانہ بات تو تھی نہیں۔

دورانِ سال ہم نے یہ ارادہ بھی کیا ہے کہ دورۂ ترجمۂ قرآن انگریزی میں بھی ریکارڈ ہو جائے' کیونکہ متعدد جگہوں سے اس کی فرمائشیں کی گئی ہیں۔ اس ضمن میں میں نے شکاگو کے احباب کے ساتھ طے بھی کر لیا تھا کہ اس سال میں وہاں پر یہ پروگرام کروں گا' لہٰذا اس وعدے کی رُو سے اس سال مجھے وہاں جانا بھی تھا۔ مگر بعد میں میں نے محسوس کیا کہ رمضان المبارک کے دوران یہ میرے لئے قطعی ممکن نہیں ہو گا' کیونکہ کوشش کے باوجود انگریزی میں میری رفتار اتنی تیز نہیں ہو سکتی کہ ایک رات میں ایک پارے یا سوا پارے کا ترجمہ مکمل ہو سکے۔ پھر یہ کہ شکاگو میں حاضرین کہاں سے آئیں گے؟ دو چار افراد کو دیکھ کر تو آدمی کی طبیعت ویسے بھی آمادہ نہیں ہوتی۔ دریں حالات اب میں نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ جب بھی موقع ملا میں ان شاء اللہ وہاں جا کر منتخب نصاب کے دروس انگریزی میں ریکارڈ کرا دوں گا۔

اس کے علاوہ جو بات پیشِ نظر تھی اور جو 'میثاق' اور 'حکمتِ قرآن' میں چھپ چکی

ہے' وہ یہ کہ اس کام کے لئے وہاں سے نوجوان آئیں۔ وہاں سے اگر ایسے نوجوان آ کر قرآن سیکھیں گے جو وہیں کے پلے بڑھے ہوں اور وہیں کے لب و لہجے میں بات کر سکتے ہوں تو وہ وہاں واپس جا کر قرآن کی دعوت کو مؤثر انداز میں پیش کر سکیں گے۔ جیسا کہ سورۃ التوبہ میں آیا ہے: "وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً" کہ اے نبیؐ تمام اہل ایمان کے لئے تو ممکن نہیں کہ اپنے گھروں سے نکل کر تعلیم و تربیت کے لئے آپ کے پاس مدینہ آ جائیں۔ "فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ○" پس ایسا کیوں نہ ہوا کہ ان کے ہر قبیلے میں سے ایک جماعت نکل آئی ہوتی کہ آپؐ کے پاس آ کر دین کی سمجھ پیدا کرتی اور جب تعلیم و تربیت کے بعد واپس اپنے لوگوں میں جاتی تو انہیں خبردار کرتی' انہیں دین کی تعلیم دیتی' تاکہ وہ اپنی غیر محتاط روش سے پرہیز کرتے! تو میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ میری دعوت پر لبیک کہتے ہوئے شکاگو سے دو نوجوان تعلیم دین کے لئے یہاں آئے ہیں۔ ان کے یہاں آتے ہی یہاں پر موجود ان کے عزیزوں اور رشتہ داروں نے انہیں طعنے دینے شروع کر دیئے کہ تمہارا دماغ خراب ہو چکا ہے؟ لوگ تو یہاں سے وہاں جاتے ہیں اور تم وہاں سے یہاں آ گئے!۔ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ انہیں استقامت اور دلجمعی عطا فرمائے۔ ایک اور نوجوان لندن سے مع فیملی آ چکے ہیں۔ بہرحال وہاں کے نوجوان آ کر یہ کام کریں گے تو ان شاء اللہ العزیز اس کے بہت دور رس اثرات نکلیں گے۔

اس کے علاوہ ہمارا ایک اہم پراجیکٹ خواتین کی تعلیم و تربیت کا ہے' اور خواتین کی طرف سے اس کا شدید تقاضا ہے۔ کراچی میں دورۂ ترجمۂ قرآن میں میری اہلیہ بھی شریک تھیں۔ انہوں نے بتایا کہ نہایت اعلیٰ تعلیم یافتہ خواتین اور نوجوان لڑکیاں وہاں آتی تھیں اور ان کی خواہش تھی کہ ہمارے لئے تعلیم قرآن کا کوئی مستقل بندوبست کیا جائے۔ لاہور میں بھی متعدد ایسی طالبات جن کا سٹوڈنٹس کی سطح پر بعض دینی سیاسی جماعتوں سے بھی تعلق رہا ہے' وہاں کی سیاسی سرگرمیوں سے بددل ہو کر قرآن مجید کی دعوت میں لگنا چاہتی ہیں۔ ان کی خواہش ہے کہ ان کے لئے انتظام کیا جائے۔ چنانچہ ظاہر بات ہے کہ ہمیں خواتین کے شعبے میں بھی خاصی توجہ دینی ہوگی اور ان کے لئے تعلیم و تعلّم قرآن کا

معقول انتظام کرنا ہوگا۔

میں اپنی کتاب "دعوت رجوع الی القرآن کا منظر و پس منظر" میں تحدیثِ نعمت کے طور پر جو کچھ بیان کر چکا ہوں' اس میں کچھ مزید اضافہ کرنا چاہتا ہوں اور اس ضمن میں میں ایک نوجوان کی مثال پیش کر رہا ہوں۔ یوں تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس سال بھی ایک سالہ کورس میں کئی اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوان آئے ہیں' جن میں دو ایم۔ بی۔ بی۔ ایس شامل ہیں اور یہ واقعتہ آسان بات نہیں ہے کہ ایم۔ بی۔ بی۔ ایس کی تعلیم سے فارغ ہو کر انسان پھر حصول علم کے لئے کمربستہ ہو جائے کہ اب مجھے ایک سال کے لئے قرآن پڑھنا ہے اور عربی سیکھنی ہے' لیکن اس وقت میں خاص طور پر جس نوجوان کا ذکر کرنا چاہتا ہوں وہ اب یہاں پورے دو سال لگا چکے ہیں۔ وہ امریکہ سے انجینئرنگ میں ایم۔ ایس کر کے آئے تھے اور یہاں ہمارے پاس آ کر انہوں نے نہ صرف عربی سیکھی' منتخب نصاب پڑھا اور عربی کی تدریس کی اچھی استعداد حاصل کر لی' بلکہ اپنے طور پر ایم۔ اے فلسفہ بھی کیا۔ کیونکہ یہ کام اگر علمی سطح پر کرنا ہے تو اس کا تقاضا تو یہی ہے۔ یہ کوئی میکانکی یا عمارتی قسم کا کام تو نہیں ہے جس کا تعلق انجینئرنگ سے ہو۔ جیسا کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے مچھلیاں پکڑنے والوں سے یہ بات کہی تھی کہ آؤ' میں تمہیں انسانوں کو شکار کرنے کا طریقہ بتا دوں۔ انسانوں کے "شکار" کے لئے تو کوئی اور علم اور صلاحیت درکار ہے۔ چنانچہ انہوں نے دینی تعلیم کے حصول کے بعد ایم۔ اے فلسفہ بھی کر لیا ہے اور اگرچہ گزشتہ ایک سال سے وہ قرآن کالج میں تدریس کے فرائض بھی انجام دے رہے ہیں لیکن ان کا یہ ایثار قابل رشک ہے کہ اب تک وہ اپنا سارا خرچ اپنی جیب سے ہی کر رہے ہیں۔ آئندہ وہ ان شاء اللہ قرآن اکیڈمی کی فیلو شپ اسکیم کو آگے بڑھانے کا ذریعہ بنیں گے۔ بہرحال ان نوجوانوں کا اپنے کیریئرز کو چھوڑ کر اس طرح آنا اچھی علامات میں سے ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ ایسی مثالیں بکثرت سامنے آتی رہیں۔ کَثَّرَ اللّٰہُ اَمْثَالَھُم

"اے اہل قرآن' قرآن کو تکیہ نہ بنا لو بلکہ رات اور دن کے اوقات میں اس کی تلاوت کیا کرو جیسا کہ اس کی تلاوت کا حق ہے اور اس کی نشر و اشاعت کرو اور اسے خوش الحانی سے پڑھا کرو اور اس میں غور و فکر کیا کرو تاکہ تم فلاح پاؤ"۔

(حدیث)

مولانا محمد تقی امینی مرحوم کی تصانیف شائع کرنے والے

پاکستانی اشاعتی ادارے متوجہ ہوں!

مولانا محمد تقی امینی مرحوم کے سوانحی خاکے پر مشتمل علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے ناظم دینیات' محمد سعود عالم قاسمی کا ایک معلومات افزا مضمون "حکمت قرآن" کے گزشتہ شمارے میں شائع ہوا تھا۔ اپنے مضمون کے ساتھ محترم سعود قاسمی صاحب نے جو مکتوب ہمیں ارسال کیا تھا' وہ اس قابل تھا کہ ساتھ ہی شائع کیا جاتا لیکن ہماری کوتاہی کے باعث ایسا ممکن نہ ہوا۔ تاہم چونکہ اس میں انہوں نے نہایت دلسوزی کے ساتھ پاکستانی اشاعتی اداروں کی توجہ ایک اہم معاملے کی جانب مبذول کرائی ہے لہٰذا تاخیر ہو جانے کے باوجود اس کی اشاعت ہم ضروری خیال کرتے ہیں۔ (ادارہ)

مکرم و محترم ڈاکٹر اسرار صاحب قبلہ زید مجدکم'

السلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ۔ خدا کرے آپ بخیر ہوں۔ آپ کو یہ تکلیف دہ اطلاع مل چکی ہوگی کہ مولانا پروفیسر محمد تقی امینیؒ اللہ کو پیارے ہوگئے۔ یہ ۲۱ر جنوری ۱۹۹۱ء کا حادثہ تھا۔ مولانا کا آپ سے تعلق تھا اور آپ کا ذکر خیر کیا کرتے تھے۔ "ہدایت القرآن" نامکمل رہ گئی۔

وجہ تحریر یہ ہے کہ مولانا اپنے پیچھے تین لڑکیاں غیر شادی شدہ' دو بچے زیر تعلیم اور ایک بیمار اہلیہ چھوڑ گئے۔ ان بچوں کی کفالت اللہ کے ذمہ ہے۔ آپ کے ملک میں مولانا کی کچھ کتابیں چھپی ہیں' اگر مولانا کے بچوں کو ان کی رائلٹی مل جائے تو ایک درویش صفت عالم دین کا خاندان بکھرنے سے بچ جائے گا۔ اس میں آپ کا تعاون ہم جیسے بہی خواہوں کے لئے شکریہ کا باعث ہوگا۔

مولانا کے وصال سے علی گڑھ کا علمی و دینی حلقہ بہت سوگوار ہے۔ یہاں کے حالات لائق شکر ہیں۔ ہندو احیاء پرستی کی جارحانہ لہر کے بعد کچھ سکون ہے' خدا کرے آپ کا قرآن کالج رو بہ ترقی ہو۔

والسلام

محمد سعود عالم قاسمی

(ناظم دینیات اے ایم یو علی گڑھ)

ھدایت القرآن (۵۰)

مولانا محمد تقی امینی

سورۃ البقرۃ، آیات ۲۸۲ تا ۲۸۶

لین دین میں

لکھا پڑھی، گواہی اور گروی رکھنے کے احکام

اللہ کی ہدایت میں لین دین کی صفائی و ستھرائی اور معاملات کی درستگی کی زیادہ سے زیادہ تاکید ہے۔ اس سے ہر ایک کا حق ــــ دوسرے سے محفوظ رہتا اور ہر ایک کو اپنی ذمہ داری پوری کرنے کا موقع ملتا ہے۔ لیکن بدقسمتی سے گری ہوئی قوموں کی زندگی میں مذہب کے نام پر ہدایت کا جو حصّہ باقی رہتا ہے اس میں عبادات پر زیادہ زور ہوتا ہے اور معاملات کی طرف توجہ نہیں ہوتی ہے۔ حالانکہ قوموں کی موت و زندگی کا فیصلہ عبادات پر نہیں معاملات پر کیا جاتا ہے۔

بلاشبہ عبادات مقصد کے درجہ میں ہیں اور ان میں معاملات کی درستگی کے لیے "ذریعہ" بننے کی بھرپور صلاحیت ہے۔ لیکن گری ہوئی قوموں میں یہ صلاحیت کیوں ختم ہو جاتی ہے، اس کا بہتر علم اللہ ہی کو ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ بدمعاملگی اور دوسری برائیوں کے "جراثیم" اتنے شدید ہو جاتے ہیں کہ عبادات میں "ذریعہ" بننے کی صلاحیت کو ختم کر دیتے ہیں۔ صحت بخش دواؤں اور غذاؤں کے فائدہ پہنچانے کی ایک حد ہوتی ہے۔ جب "جراثیم" قابو پا لیتے ہیں تو تیز دوائیں اور طاقت پہنچانے والی غذائیں بھی اپنا اثر دکھانے میں کامیاب نہیں ہوتی ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا
تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ۭ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌ
بِالْعَدْلِ ۠ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ
الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَـيْـــًٔـا ۭ فَاِنْ

كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهًا أَوْ ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يُمِلَّ
هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهُ بِالْعَدْلِ ۚ وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ ۖ
فَإِنْ لَمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ
أَنْ تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَىٰ ۚ وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَاءُ
إِذَا مَا دُعُوا ۚ وَلَا تَسْأَمُوا أَنْ تَكْتُبُوهُ صَغِيرًا أَوْ كَبِيرًا إِلَىٰ أَجَلِهِ ۚ ذَٰلِكُمْ
أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ وَأَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَأَدْنَىٰ أَلَّا تَرْتَابُوا ۖ إِلَّا أَنْ تَكُونَ
تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيرُونَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَلَّا تَكْتُبُوهَا ۗ
وَأَشْهِدُوا إِذَا تَبَايَعْتُمْ ۚ وَلَا يُضَارَّ كَاتِبٌ وَلَا شَهِيدٌ ۚ وَإِنْ تَفْعَلُوا فَإِنَّهُ
فُسُوقٌ بِكُمْ ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ وَيُعَلِّمُكُمُ اللَّهُ ۗ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٢٨٢﴾
وَإِنْ كُنْتُمْ عَلَىٰ سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا فَرِهَانٌ مَقْبُوضَةٌ ۖ
فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ أَمَانَتَهُ وَلْيَتَّقِ
اللَّهَ رَبَّهُ ۗ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ۚ وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ ۗ وَ
اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ﴿٢٨٣﴾

" اے ایمان والو کسی مقررہ مدّت تک آپس میں اُدھار کا معاملہ کرو تو لکھا پڑھی کر لیا کرو۔ اور تمہارے درمیان لکھنے والے کو دیانتداری کے ساتھ لکھنا چاہیئے اور اس کو لکھنے سے انکار نہ کرنا چاہیئے۔ جیسا کہ اللہ نے اس کو سکھایا ہے اس کو لکھ دینا چاہیئے۔ اور اس شخص کو لکھانا چاہیئے جس کے ذمّہ قرض ہے، اور اللہ سے ڈرتے رہنا چاہیئے جو اس کا پروردگار ہے۔ اور جو کچھ اس کے ذمّہ ہے اس کے لکھانے میں کمی نہ کرنا چاہیئے۔ اگر وہ شخص جس کے ذمّہ قرض ہے بیوقوف ہے یا کمزور ہے یا وہ لکھا نہیں سکتا ہے تو اس کا سرپرست (یا کارندہ) ٹھیک طرح لکھا دے۔ اور مردوں میں سے دو گواہ بنا لیا کرو، اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ان میں سے جن کو گواہ بنانا پسند کرتے ہو، تاکہ اگر ایک ان میں سے بھول جائے تو دوسری اس کو یاد دلا دے۔ اور اگر گواہی کے لیے بلائے جائیں تو وہ انکار نہ

کریں۔ اور معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا اس کی مقررہ مدّت تک لکھنے میں سُستی نہ کرو۔ یہ لکھ لینا اللہ کے نزدیک زیادہ انصاف کو قائم کرنے والا اور گواہی کو زیادہ درست رکھنے والا ہے اور اس بات سے زیادہ قریب ہے کہ تم کسی شبہ میں نہ پڑو۔ ہاں اگر خرید و فروخت ہاتھوں ہاتھ ہو جس کو آپس میں لیتے دیتے رہتے ہو تو پھر اس کے نہ لکھنے میں تم پر کوئی حرج نہیں ہے۔ اس صُورت میں بھی گواہ بنا لیا کرو اور لکھنے والے اور گواہ کو تکلیف نہ دی جائے۔ اور اگر تم نے تکلیف دی تو تمہیں گناہ ہوگا۔ اور اللہ سے ڈرو! وہ تمہیں سکھاتا ہے۔ اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے[1] اور اگر تم سفر میں ہو اور کوئی لکھنے والا نہ ملے تو کوئی چیز گروی رکھ کر قرض دینے والے کو اس پر قبضہ دے دیا جائے۔ اور اگر ایک دوسرے سے مطمئن ہو جائے تو اس شخص (قرض دینے والے) کو جس کے پاس امانت رکھی گئی ہے امانت (گروی چیز) واپس کر دینی چاہیئے[2] اور اللہ سے ڈرتے رہنا چاہیئے جو پروردگار ہے۔ اور گواہی کو نہ چھپاؤ۔ اور جو شخص اس کو چھپائے گا، یقیناً اس کا دل گنہگار ہے۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ خُوب جانتا ہے۔"

---

[1] سُود کی صورت میں تو قرض زائد لے کر واپس آتا ہے، لیکن جب سُود کی ممانعت کر دی گئی، تو قرض کو ڈوبنے سے بچانے کے لیے حفاظتی تدبیریں ہونی چاہئیں۔ یہ انہی تدبیروں کا ذکر ہے۔ دستاویز لکھ دینا، گواہ بنانا، گروی چیز رکھنا، ان میں جن سے بھی ایک دوسرے پر اعتماد پیدا ہو جائے وہ کر کے قرض لینا چاہیئے۔ آیت میں ان تدبیروں کو جس طرح بیان کیا گیا ہے، اس سے اللہ کی بندوں کے ساتھ محبّت ظاہر ہوتی ہے کہ وہ کسی صورت میں نہ بندوں کا نقصان پسند کرتا ہے اور نہ ان کے کام روکنا چاہتا ہے۔

[2] گروی رکھنے کی اجازت سفر ہی کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ جہاں کہیں دشواری ہو وہیں اس کی اجازت ہے۔ سفر میں چونکہ دستاویز لکھنے اور گواہ بنانے کی سہولت کم ہوتی ہے اس لیے خاص طور سے اس کا ذکر کیا گیا ہے۔

۳۵؎ دراصل گروی رکھنے کی ضرورت اس وقت پیش آتی ہے جب آپس میں ایک دوسرے پر اعتماد نہیں ہوتا ہے۔ گروی رکھنے کے بعد اگر اعتماد کی صورت پیدا ہو جائے تو پھر قرضخواہ کو چاہیئے کہ گروی چیز (جو اس کے پاس امانت ہے اور جس سے فائدہ اٹھانا درست نہیں ہے) قرضدار کے حوالہ کر دے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ گروی رکھنے کا معاملہ اللہ کو پسندیدہ نہیں ہے، بس کام نکالنے کے لیے ہے۔

۳۶؎ دل گنہگار ہے — یعنی یہ اس کے فسادِ قلب کی نشانی ہے، جس کے گناہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے، اگرچہ لوگ اس کو معمولی جان کر اس میں گناہ نہ مانیں۔

سُورت کے ختم پر بطورِ خلاصہ چند نہایت اہم باتوں کا ذکر

آگے سورت کے خاتمہ کی آیتیں ہیں، جن میں پہلے اللہ کی قدرت اور اس کے علم کا ذکر ہے۔ پھر ایمان و عقیدہ کا ذکر ہے، جس سے سورت کی ابتداء ہوئی تھی۔ اس کے بعد اہلِ ایمان کے ایمان اور ان کے مومنانہ طرزِ عمل کا بیان ہے۔ پھر اللہ کی ہدایت کیے احکام پر تبصرہ ہے۔ اس کے بعد بھلی بُری زندگی اور اس کے انجام کا ذکر ہے۔ آخر میں نہایت جامع و پُرکشش دُعا پر سُورت کو ختم کیا گیا ہے۔

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ
وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ۭ فَيَغْفِرُ لِمَنْ
يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ؁٢٨٤ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ
بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۭ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ
وَرُسُلِهٖ ۣ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۣ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ڭ
غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ؁٢٨٥ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۭ
لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ۭ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ
اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَي الَّذِيْنَ مِنْ
قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۪

وَاغْفِرْ لَنَا ۖ وَارْحَمْنَا ۖ أَنْتَ مَوْلَانَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴿٢٨٦﴾

دو آسمان و زمین میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ ہی کا ہے۔ اپنے دل کی باتوں کو اگر ظاہر کرو یا چھپاؤ (سب اللہ کے علم میں ہے) اللہ تم سے اس کا حساب لے گا۔ پھر جس کو چاہے بخش دے گا اور جسے چاہے سزا دے گا۔ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے[1] اللہ کا رسول ایمان لایا اس پر جو اس کے پروردگار کی طرف سے اتارا گیا اور مومن ایمان لائے۔ یہ سب اللہ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے ہیں[2] (وہ کہتے ہیں کہ) ہم اللہ کے رسولوں کے درمیان تفریق نہیں کرتے ہیں[3] اور کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور فرمانبرداری کا سر جھکا دیا[4] اے ہمارے پروردگار ہم آپ سے بخشش چاہتے ہیں اور ہمیں آپ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

اللہ کسی پر اُس کی طاقت سے زیادہ ذمہ داری نہیں ڈالتا ہے[5] ہر ایک کی بھلائی کا فائدہ اُسی کو پہنچے گا اور بُرائی کا نقصان اُسی کو اٹھانا پڑے گا[6] اے ہمارے پروردگار، ہماری بھول چوک پر پکڑ نہ فرمائیے۔ اے ہمارے پروردگار، ہمارے اوپر ایسا بوجھ نہ ڈالیے جیسا کہ آپ نے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا۔ اے ہمارے پروردگار ہم سے وہ بوجھ نہ اٹھوائیے جس کی ہم میں طاقت نہیں ہے۔ ہمیں درگذر فرمائیے، ہمیں بخش دیجئے، ہم پر رحم فرمائیے، آپ ہی ہمارے کارساز ہیں۔ کافروں کے مقابلہ میں ہماری مدد کیجئے"[7]

---

[1] اللہ کے علم میں سب کچھ ہے۔ جو حساب کے دائرہ میں آئے گا اللہ اس کا حساب لے گا۔ دل کے وسوسے اور خیالات جو انسان کے اختیار میں نہیں ہیں وہ حساب کے دائرہ سے باہر ہیں حساب اس میں ہوگا جو انسان کے اختیار میں ہے۔

[2] یہ ان چیزوں کا بیان ہے جن پر ایمان لانا ضروری ہے۔

۳۔ یہ مومنانہ طرزِ ایمان ہے جس میں کسی پیغمبر و رسولؑ کے درمیان تفریق نہیں کی جاتی ہے کہ کسی کو مانا اور کسی کو نہ مانا، یا ایک کو مانا اور سب کا انکار کر دیا، اس میں سب کی تصدیق کی جاتی ہے، تکذیب (جھٹلانا) کسی کی نہیں ہوتی ہے۔

۴۔ یہ مومنانہ طرزِ عمل ہے جس میں نیازمندی اور فرمانبرداری ہے، نافرمانی و سرکشی نہیں ہے۔

۵۔ یہ ہدایتِ الٰہی کے احکام پر تبصرہ ہے کہ اس میں کوئی حکم مشقت و برداشت سے زیادہ نہیں دیا جاتا ہے۔

۶۔ یہ انسان پر اس کے اعمال و انجام کی ذمہ داری بتائی گئی ہے کہ اسی پر ہے، کسی اور پر نہیں ہے۔

۷۔ یہ دُعا کے الفاظ ہیں جو نہایت جامع اور دل کو کھینچنے والے ہیں۔ اس "بوجھ" میں مصائب مشکلات، آزمائش در کاوٹیں اور دشمن کے مظالم وغیرہ سبھی آجاتے ہیں۔

ماہنامہ **میثاق** لاہور

کے جون ۹۱ء کے شمارے کے اہم مضامین:

(۱)

مسلم فیملی لاز آرڈیننس پر علماء کرام کا تبصرہ

۱۹۶۱ء میں ایوب خان کے نافذ کردہ خلافِ اسلام عائلی قوانین پر تمام مکاتیبِ فکر کے چوٹی کے علماء کا متفقہ بیان ـــ ایک تاریخی دستاویز

(۲)

عظمتِ قرآن

بزبانِ قرآن و صاحبِ قرآن

امیر تنظیم اسلامی، ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک ایمان افروز خطاب

ـــ درج ذیل پتے سے طلب کریں ـــ

دفتر مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور۔ ۳۶۔ کے، ماڈل ٹاؤن

حکمتِ اقبال (۳۲)

ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم

خودی اور سائنس (۲)

خدا ہستی غائب نہیں

ایک نظم میں اقبال کہتا ہے کہ فلسفۂ مغرب کے قائلین کی تعلیم یہ ہے کہ خدا کی جستجو کرنا نادانی ہے۔ اور ان کی بڑی دلیل یہ ہے کہ خدا ہستیٔ غائب ہے اور جدید سائنسی علوم کی بنیاد ان حقائق پر ہے جو محسوس دنیا سے تعلق رکھتے ہیں، یعنی حواسِ خمسہ کے ذریعہ سے معلوم کیے جا سکتے ہیں۔ لہٰذا خدا کو ماننا علم اور عقل کی کوئی بات نہیں۔ اس زمانہ میں محض عقائد کو کوئی علمی حیثیت حاصل نہیں۔ مذہب ایک جنون ہے، جس سے آدمی کے تخیل پر ناحق ایک لرزہ طاری رہتا ہے۔ لیکن اگر ہم فلسفۂ زندگی پر غور کریں تو کچھ اور ہی قسم کے حقائق آشکار ہوتے ہیں، جن سے پتہ چلتا ہے کہ مغرب کے فلسفیوں کا یہ خیال درست نہیں کہ خدا ہستیٔ غائب ہے اور خدا کو جاننے کا پہلا ذریعہ حواسِ خمسہ کے سوائے کوئی اور بھی ہے۔ خدا کو جاننے کا بنیادی ذریعہ حواسِ خمسہ ہی ہیں، کیونکہ خدا کی ہستی اور اس کی صفات مظاہرِ قدرت میں آشکار ہیں اور مظاہرِ قدرت کا علم حواس کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے۔ جیسا کہ اقبال نے اپنے خط میں لکھا ہے: "وہ علم جس کا دار و مدار حواس پر ہے، علمِ حق کی ابتدا ہے" ع علمِ حق اوّل حواس، آخر حضور!

چونکہ خدا کی صفات محسوس کائنات میں آشکار ہیں، لہٰذا خدا محسوس کائنات سے الگ نہیں اور خدا کا علم بھی محسوس کائنات ہی کا علم ہے۔ یہ بات کہ خدا ہماری جسمانی آنکھوں سے مخفی ہے، اس صداقت میں کوئی فرق پیدا نہیں کرتی۔ بعض وقت ہم کسی چیز کی ہستی کو اس کے محسوس آثار اور نتائج سے جانتے اور پہچانتے ہیں اور پھر اس چیز کا علم بھی ایسا ہی معتبر اور یقینی ہوتا ہے جیسا کہ کسی اور محسوس چیز کا

علم ۔مثلاً ہم دُور سے دھواں دیکھیں تو اس سے آگ کی موجودگی کا یقین کرتے ہیں حالانکہ آگ ہمیں نظر نہیں آتی۔ اسی طرح سے ہم اپنے کسی دوست کی شخصیت یا خودی کو اس کے آثار و نتائج سے جو اس کے اعمال، افعال اور اقوال کی صورت اختیار کرتے ہیں، اچھی طرح سے جان لیتے ہیں۔ حالانکہ اس کی شخصیت یا خودی ہمیں نظر نہیں آتی۔ ایٹم کو کسی سائنسدان نے عریاں نگاہوں سے آج تک نہیں دیکھا اور خوردبین سے بھی ہیروشیما کے دھماکہ کے بعد ہی دیکھا ہے۔ اس کے باوجود اس دھماکہ کے وقت سائنسدانوں کو اس کے محسوس آثار و نتائج کی بنا پر اس کا پورا علم تھا، جو یہاں تک یقینی اور مؤثر تھا کہ اس کی مدد سے ہیروشیما ایسے ایک بڑے شہر کو لمحہ بھر میں تباہ کر دیا گیا۔ ایٹم کی طرح ہم خدا کو بھی اس کے آثار و نتائج یا اعمال و افعال کے ذریعے سے جو مظاہر قدرت کی صورت میں ہمارے سامنے ہیں، جانتے اور پہچانتے ہیں۔ اُوپر کی مثالوں میں اگر اپنے آثار و نتائج کے ذریعہ سے جانی ہوئی چیزوں یعنی آگ اور دوست کی شخصیت اور ایٹم میں سے کوئی چیز بھی کسی شخص کے نزدیک ہستی غائب یا مافوق الفطرت (Super Natural) نہیں تو خدا بھی ہستی غائب یا مافوق الفطرت نہیں۔ تمام طبعیاتی، حیاتیاتی اور نفسیاتی مظاہر قدرت میں جو چیز ہمیں واضح طور پر نظر آتی ہے وہ نظم یا آرڈر (Order) کی موجودگی ہے جو سائنسدان کوشش کرتا ہے اور جسے سائنسدان اپنے مشاہدات اور تجربات کے ذریعہ سے دریافت کر کے ضبطِ تحریر میں لاتا ہے۔ جہاں نظم دریافت نہ ہو سکے وہاں سائنس کی تحقیق ناکام رہتی ہے اور رُک جاتی ہے۔ مثلاً ہم دیکھتے ہیں کہ یہ نظم ایک جوہر میں، ایک سالمہ میں، ایک قلم یا کرسٹل میں، ایک نظامِ شمسی میں، برف کے ایک گالہ میں، ایک خلیہ میں، ایک جسمِ حیوانی میں اور ایک انسانی شخصیت میں موجود ہے۔ اور پھر جہاں تک ہمیں علم ہے یہ نظم جب سے کائنات وجود میں آئی ہے آج تک ہر زمانہ میں اور جہاں تک کائنات پھیلی ہوئی ہے اس میں ہر جگہ ایک ہی رہتا ہے اور اس کی یکسانیت کبھی اور کہیں نہیں ٹوٹتی۔ اب یہ بات بالکل ظاہر ہے اور اسے کوئی جھٹلا نہیں سکتا کہ نظم ہمیشہ کسی ذہن کی کارفرمائی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اگر ہم گندم کے کچھ دانے ایک فٹ پاتھ پر بکھرے ہوئے دیکھیں تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ اتفاقاً گر گئے ہوں گے لیکن اگر وہی دانے ایک باقاعدہ ہشت پہلو ریاضیاتی شکل میں آراستہ ہوں تو ہم سوائے اس کے اور کوئی نتیجہ اخذ نہیں کر سکیں گے کہ کسی زندہ باشعور ہستی نے ان کو یہ شکل دی ہے۔ طبعیاتی مظاہر قدرت کے اندر جو نظم پایا جاتا ہے وہ اس قدر جچا تلا ہے کہ ہم اسے ریاضیاتی اصطلاحات

یا ریاضیاتی اصولوں میں ظاہر کر سکتے ہیں۔ ایک بلند عمارت کی چھت سے نیچے گرائی ہوئی چھوٹی سی کنکری کی بڑھتی ہوئی رفتار یا حرارت سے پھیلنے والی لوہے کی ایک سلاخ کی بڑھتی ہوئی طوالت بھی ریاضیاتی قوانین کی پابند ہے، جو کائنات میں اُس وقت بھی جاری تھے جب اس میں انسان جو ان قوانین کو سمجھنے کی ذہنی استعداد رکھ سکتا ہے، موجود نہیں تھا۔ اگرچہ نظم خود ایک مقصد کا مظہر ہوتا ہے، تاہم جب ہم طبعیاتی مظاہر قدرت سے ذرا اُوپر آ کر حیاتیاتی مظاہرِ قدرت پر نگاہ ڈالیں تو ہمیں ہر چھوٹے یا بڑے جاندار کے جسمانی نظم کے اندر کسی مقصد کی کارفرمائی براہِ راست نظر آتی ہے۔ حالانکہ کسی جاندار نے اپنے آپ کو خود نہیں بنایا اور نہ وہ مقصد جو اس کے جسمانی کارخانہ کے کونے کونے میں کام کرتا ہوا نظر آتا ہے، اس کا اپنا مقصد ہوتا ہے۔ لہٰذا جدید سائنسی علوم مظاہرِ قدرت کے اندر نظم اور مقصد کی جستجو اور دریافت کی کٹھن منزلیں طے کر کے یہ سوال بار بار پیدا کرتے رہتے ہیں کہ جب نظم اور مقصد کسی ذہن کی کارفرمائی کے بغیر ممکن نہیں تو پھر یہ کس کا ذہن ہے جو قدرت کے ذرّہ ذرّہ میں کارفرما ہے۔ اس سوال کا جواب سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ یہ اس کا ذہن ہے جس نے قدرت کے ذرّہ ذرّہ کو پیدا کیا ہے اور جسے خالقِ کائنات یا خدا کہا جاتا ہے۔ لہٰذا خدا کا عقیدہ جدید سائنسی علوم کا ایک قدرتی جزو اور جزوِ لاینفک ہے۔ اگر مغرب کے علماء نے علوم جدیدہ سے خدا کے عقیدہ کو الگ کر دیا ہے تو ایسا کرنے کے لیے ان کے پاس کوئی علمی اور عقلی وجہ جواز موجود نہیں اور نہ ان کا ایسا کرنا اس کا ثبوت بن سکتا ہے کہ خدا ایک علمی تصوّر نہیں یا ہمیں خدا کو ایک غیر محسوس ہستی سمجھ کر نظر انداز کر دینا چاہیے۔ خدا کی ہستی ہستیٔ غائب یا ماورائے علم ہستی نہیں بلکہ وہ ہستی ہے جس کی شہادت خود علوم جدیدہ بہم پہنچا رہے ہیں۔ اگر خدا غائب ہے تو ان معنوں میں کہ آشکار ہونے کے باوجود اس کی ذات ہماری جسمانی آنکھوں سے مخفی ہے۔ لیکن ان معنوں میں دنیا کی ہر وہ چیز بھی جسے ہم ان آنکھوں سے دیکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں، غائب ہے۔ کیونکہ ہم دنیا کی کسی چیز کو بھی جسے ہم مرئی کہتے ہیں، پوری طرح سے نہیں جان سکتے۔ ان ہی معنوں میں قرآن حکیم نے خدا کو ظاہر بھی کہا ہے اور باطن بھی۔ قرآن کی آیت يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ میں لفظ غیب میں خدا کو شامل کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ خدا ہم سے کلیتہً مخفی ہے، بلکہ فقط یہ ہے کہ ظاہر اور آشکار ہونے کے باوجود اس کی ذات ہماری آنکھوں سے نہاں ہے۔ خدا مظاہرِ قدرت میں اپنی صفات کی آشکارائی کی وجہ سے

آشکار ہے۔ یہی سبب ہے کہ قرآن کا ارشاد ہے کہ مظاہرِ قدرت خدا کی آیات یا خدا کے نشانات ہیں۔ اور خدا کو جاننے کے لیے ان کا مشاہدہ اور مطالعہ کرو۔ کچھ مظاہرِ قدرت کا ذکر کرنے کے بعد قرآن حکیم کا ارشاد ہے۔ ذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمْ فَاَنّٰی تُؤْفَکُوْنَ (یہ ہے اللہ تمہارا پروردگار تم کہاں بھٹکتے پھر رہے ہو) یہ اشارہ صرف ایک ایسی ہستی کی طرف ہی کیا جا سکتا ہے جو صاف طور پر سامنے نظر آ رہی ہو۔ اسلام میں مشاہدہ و مطالعۂ قدرت ایمان باللہ کے لیے ضروری ہے۔ مغرب کی موجودہ عیسائیت میں مشاہدہ و مطالعۂ قدرت ایمان باللہ کے منافی یا کم از کم اس سے بے تعلق ہے۔ لہٰذا جس طرح سے فلسفۂ مغرب میں نامشہود (Unseen) اور فوق الفطرت (Super Natural) کے الفاظ خدا کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں، اسلام میں جو فلسفۂ زندگی ہے، استعمال نہیں کیے جا سکتے۔ اگر فلسفۂ مغرب کے قائلین نے علومِ جدیدہ سے خدا کے عقیدہ کو الگ کر دیا ہے تو ہمارے لیے ایسا کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ اور پھر خودی کی فطرت اس بات کی گواہ ہے کہ انسان آرزوئے حسن کے سوائے اور کچھ نہیں۔ اور انسان کی یہ آرزوئے حسن خدا کے سوائے اور کسی نصب العین سے مطمئن نہیں ہوتی۔ اگر خدا کی جستجو کو نادانی سمجھا جائے تو انسان اپنی اس ایک ہی آرزو کی تشفی کیسے کرے گا جس پر اس کی پوری فطرت مشتمل ہے۔ انسان کو عقل ہی کی نہیں بلکہ جنون یعنی خدا کی محبت کی بھی ضرورت ہے۔ اگر وہ عقلِ کل ہو جائے تو پھر بھی خدا کی محبت کے جنون سے بے نیاز اور بے پرواہ نہیں ہو سکتا۔ اگر وہ سچے خدا سے بے نیاز ہو گا تو اسے زندہ رہنے کے لیے کسی جھوٹے اور ناحقدار خدا کی محبت اور اطاعت کا پھندا اپنے گلے میں ڈالنا پڑے گا۔ لہٰذا اقبال فلسفۂ مغرب کے قائلین پر تنقید کرتے ہوئے کہتا ہے:

تعلیم پیرِ فلسفۂ مغربی ہے یہ — ناداں ہیں جن کو ہستیٔ غائب کی ہے تلاش
محسوس پر بنا ہے علومِ جدید کی — اس دَور میں ہے شیشۂ عقائد کا پاش پاش
مذہب ہے جس کا نام وہ ہے اک جنونِ خام — ہے جس سے آدمی کے تخیّل کو انتعاش
کہتا مگر ہے فلسفۂ زندگی کچھ اور — مجھ پر کیا یہ مرشدِ کامل نے راز فاش
"با ہر کمال اندکے آشفتگی خوش است — ہر چند عقلِ کُل شدۂ بے جنوں مباش"

آنکہ بر اشیا کمند انداخت است　　مرکب از برق و حرارت ساخت است
علمِ اسما اعتبارِ آدم است　　حکمتِ اشیا حصارِ آدم است

مظاہرِ قدرت کے علم کی اہمیّت

یہ جہانِ رنگ و بُو کوئی راز نہیں بلکہ اس کی آفرینش کی غرض و غایت آشکار ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ مسلمان اسے مسخّر کر کے خدا کے ایک سپاہی یا خادم کی حیثیّت سے اپنی قوتوں میں اضافہ کرے اور خدا کی صفاتِ حسن و کمال کو آشکار کرے۔ گویا کائنات ایک ساز ہے جس سے ایک دلکش نغمہ پیدا کیا جا سکتا ہے، بشرطیکہ اس کے تاروں کو جنبش دینے والا مردِ مومن ہو۔ ذرا مردِ مومن اس کے تاروں کو ہلا کر تو دیکھے کہ اس کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔

جہانِ رنگ و بُو پیدا تو مے گوئی کہ راز است ایں　　یکے خود را بتارش زن کہ تو مضراب و ساز است ایں

قرآن حکیم نے مظاہرِ قدرت کو آیات اللہ یا خدا کے نشانات اس لیے قرار دیا ہے کہ ان میں خدا کی صفات کا جلوہ اور اس کی قدرتوں اور حکمتوں کا نور روشن ہے۔ لہٰذا اشیاء کے خواص و اوصاف یا سائنسی حقائق خدا کے اسرار میں سے ہیں۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ○　(آل عمران: ۱۹۰)

بے شک آسمانوں اور زمین کے اندر جو کچھ پیدا کیا گیا ہے۔ اور رات اور دن کے اختلاف میں عقلمندوں کے لیے نشانیاں ہیں۔

لہٰذا جو شخص خدا کی آیات کا مشاہدہ اور مطالعہ خدا کی آیات سمجھ کر کرتا ہے وہ مومن ہے۔ سائنس کی بنیاد ہی خدا کا یہ حکم ہے کہ نظامِ فطرت کا مشاہدہ اور مطالعہ کرو۔ قرآن میں ہے:

اُنْظُرُوْا مَاذَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (یونس: ۱۰۱)

جو کچھ زمین اور آسمان میں پیدا کیا گیا ہے اسے دیکھو!

اقبال لکھتا ہے:

ہر چہ مے بینی ز انوارِ حق است　　حکمتِ اشیا ز اسرارِ حق است

ہرکہ آیاتِ خُدا بیند حُراست　　　اصلِ ایں حکمت زحکمِ اُنظُراست

بندۂ مومن پر حکمتِ اشیاء یا سائنس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اس کی حالت دینی اور دنیاوی دونوں لحاظ سے بہتر ہو جاتی ہے اور خدا کی محبّت اور معرفت کے ترقی پا جانے سے دوسرے انسانوں کے لیے اس کی محبّت اور ہمدردی اور دلسوزی بڑھ جاتی ہے۔ جب خدا کی تخلیق کا علم اس کے آب و گل کو روشن کرتا ہے تو اس کا دل خدا سے اور زیادہ ڈرنے لگتا ہے۔

بندۂ مومن ازو بہروز تر　　　ہم بہ حالِ دیگراں دل سوز تر
علم چوں روشن کند آب و گلش　　　از خدا شرمندہ تر گردد دلش

ظاہر ہے کہ ایسی سائنس ہماری خاک کے لیے کیمیا کا حکم رکھتی ہے کہ اس کو کندن بنا دیتی ہے۔ لیکن خدا کے عقیدہ سے الگ ہو کر کائنات کا مشاہدہ اور مطالعہ کرنے سے جو سائنس تعمیر ہوتی ہے، چونکہ وہ خوب و زشت کے صحیح معیار سے عاری ہوتی ہے اور ظلم اور انصاف کے درمیان فرق نہیں کر سکتی، لہٰذا اس کی تاثیر دہریت پرستی، مادیت پرستی، قومی خود غرضی، کمزور اقوام پر ظلم و سفاکی اور ان کو غلام بنانے اور لُوٹنے کی کوشش، بداخلاقی اور بے حیائی، بین الاقوامی مناقشات، ہولناک عالمگیر لڑائیوں اور ان کے دوران میں ہیروشیما اور ناگاساکی ایسے پُر امن شہروں کی تباہی کی صورت میں نمودار ہوتی ہے۔ چنانچہ ہم مغرب میں بے خدا سائنس کی اس تاثیر کا مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ افرنگیوں کی سائنس ہاتھ میں تلوار لیے ہوئے نوعِ انسانی کی ہلاکت کے درپے ہے۔ یورپ کا گرا ہوا قانونِ اخلاق اور اس کی بے خدا سائنس افسوسناک ہیں۔ عقل جب خدا کی محبّت کے تابع رہے تو ایک بلند پایہ روحانی فعلیت ہوتی ہے۔ اور جب خدا کی محبت سے آزاد ہو جائے تو شیطنت بن جاتی ہے مسلمان جو روح اور جسم کی ضرورتوں میں امتیاز کر سکتا ہے، اس کا فرض ہے کہ مغرب کی اس بے خدا تہذیب کے طلسم کو توڑ ڈالے۔

علمِ اشیا خاکِ ما را کیمیا است　　　آہ در افرنگ تاثیرش جدا است
عقل و فکرش بے عیارِ خوب و زشت　　　چشمِ او بے نم دلِ اُو سنگ و خشت
دانشِ افرنگیاں تیغے بدوش　　　در ہلاکِ نوعِ انساں سخت کوش
آہ از افرنگ و از آئینِ اُو!　　　آہ از اندیشۂ لادینِ اُو!

اے کہ جاں را بازمے دانی زتن سحر ایں تہذیبِ لا دینی شکن
عقل اندر حکمِ دل یزدانی است چوں زدل آزاد شد شیطانی است

اہلِ مغرب نے مادی علوم میں یہاں تک ترقی کی ہے کہ اب وہ ماہ و پروین پر کمندیں ڈال رہے ہیں۔ اور وہ وقت بھی آپہنچا ہے جب انسان چاند کی سطح پر نازل ہوگیا ہے۔ لیکن جب تک انسان کی یہ ترقی یافتہ عقل خدا کی محبت کے ولولہ کے ساتھ شریکِ کار نہیں بنتی اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

یہ عقل جو مہ و پرویں کا کھیلتی ہے شکار
شریکِ شورشِ پنہاں نہیں تو کچھ بھی نہیں

صحرانشینوں کی دانہ کاری

سائنس فرنگیوں کے گھر پیدا نہیں ہوئی اس کی اصل کائنات کے متعلق نئے نئے حقائق کو دریافت کرنے کا ذوق ہے جو ہر انسان کی فطرت میں ہے۔ جو شخص بھی مشاہدہ اور مطالعۂ قدرت سے اس ذوق کی تشفی کا اہتمام کرے گا وہی سائنسدان بن جائے گا، خواہ وہ مغرب کا رہنے والا ہو یا مشرق کا۔ اور پھر تاریخ کے حقائق بتا رہے ہیں کہ سائنس تو ایجاد ہی مسلمانوں کی ہے، جن کے ذوقِ دریافت کو قرآن نے معرفتِ حق تعالیٰ کے ایک ذریعہ کے طور پر اکسایا۔ اور یہ کہہ کر اس کی راہ نمائی کی کہ اس کے نتیجہ کے طور پر تمہیں خدا کا عرفان حاصل ہوگا۔ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم پھر اپنی ایجاد کے ساتھ شغف پیدا کریں۔ لیکن اس کو خدا کے عقیدہ سے الگ رکھنے کا جُرم کر کے مغرب کی لادینی تہذیب کے فروغ کا سبب نہ بنیں۔ کیونکہ یہی لادینی تہذیب ہے جس نے مسلمانوں کے لیے بحیثیت مسلمان کے زندہ رہنا محال کر دیا ہے۔ اس نے کئی فتنے پیدا کیے ہیں اور مسلمانوں کو خدا سے بیگانہ کر کے پھر نیشنلزم، عرب ازم، کمیونزم اور ایسے ہی دوسرے نوتراشیدہ بتوں کی پرستش پر مائل کر دیا ہے۔ گویا حرم کعبہ میں پھر لات اور عزیٰ کو لا کر کھڑا کر دیا ہے۔ اس تہذیب کی بے خدا سائنس نے دلوں کی آنکھوں سے نور زائل کر دیا ہے۔ اور رُوحوں کو خدا کی محبت کے آبِ حیات سے محروم کر کے تشنگی سے مار ڈالا ہے۔ اس نے دلوں سے خدا کی محبت کا سوز ہی رخصت نہیں کیا، بلکہ کہنا چاہیے کہ خود دلوں کو ہی جن میں خدا اور انسان کی محبت رہتی ہے، بیکران

(باقی صـ۳۸ پر)

این آئی ٹی یونٹ کے ضمن میں
ایک ضروری وضاحت

ازطرف : سراج الحق سیّد
ناظم اعلیٰ ، مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور مرکزی ریونیو بورڈ حکومت پاکستان سے منظور شدہ ادارہ ہے۔ اس منظوری کے باعث مرکزی انجمن کو یہ سہولت حاصل ہے کہ اس کے تمام عطیات انکم ٹیکس سے مستثنیٰ ہیں۔ یعنی عطیہ دہندہ انجمن کو دیئے ہوئے عطیے کی حد تک انکم ٹیکس سے مستثنیٰ قرار دیا جاتا ہے۔

مرکزی ریونیو بورڈ سے رجسٹریشن اور عطیات کا ٹیکس سے استثناء معہ دیگر شرائط درج ذیل شرط کے ساتھ مشروط ہے۔

"انجمن اپنی آمدنی بشمولیت عطیات جو اسے سال ما بعد میں ملے ہوں' کا ۲۵ فیصد یا دس ہزار روپیہ دونوں میں سے جو رقم کم ہو بطور ریزرو سرمایہ رکھ سکے گی۔ باقی ماندہ سرمائے کو یا تو گورنمنٹ سکیوریٹی یا NIT یونٹ کی خرید میں لگایا جائے گا اور اس کی اطلاع مرکزی ریونیو بورڈ کو کر دی جائے گی"۔

جیسا کہ سب جانتے ہیں گورنمنٹ سکیوریٹیز کی آمدنی تو صریح سود کے ذیل میں آتی ہے جبکہ این آئی ٹی کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ مولانا جسٹس محمد تقی عثمانی کی تحقیق کے مطابق اس کو سودی آلائشات سے پاک رکھنے کے لئے خاطر خواہ انتظامات کئے جاتے ہیں۔ تاہم بحالات موجودہ اس میں ایک پہلو قدرے قابل اعتراض ہے اور وہ یہ کہ بعض اوقات یہ ادارہ اپنی رقمیں عام تجارتی بنکوں کے PLS اکاؤنٹ میں رکھواتا ہے جس کی مشروعیت محل نظر ہے۔ جسٹس عثمانی صاحب نے اس صورت حال کا درج ذیل حل تجویز کیا ہے:

"این آئی ٹی یونٹ میں رقم لگانا اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ ادارے کی

طرف سے شائع شدہ فارم میں یہ لکھ دیا جائے کہ میں پی ایل ایس سے حاصل ہونے والی آمدنی نہیں لینا چاہتا۔ اس تحریر کے بعد جو منافع ادارے کی طرف سے ملے' اس کو ذاتی استعمال میں لانا بھی جائز ہے"۔

لہٰذا کتر برائی کے طور پر اور صرف مذکورہ بالا قانونی شرط کو پورا کرنے کے لئے جو ریونیو بورڈ کی طرف سے عائد کی گئی ہے' مذکورہ حد سے زائد رقم جمع ہونے کی صورت میں انجمن کو NIT یونٹ خریدنا پڑتے ہیں۔

تاہم مرکزی انجمن کوشاں ہے کہ NIT کے بجائے محفوظ سرمایہ کاری کی کوئی ایسی متبادل صورت پیدا ہو جائے جو ہر نوع کی آلائش سے کلیتہ پاک ہو تو اسے بلا تاخیر اختیار کر لیا جائے ------ دریں اثنا انجمن ریونیو بورڈ سے اس درخواست کے ساتھ رابطہ کر رہی ہے کہ ہماری ریزرو سرمایہ کاری کی حد دس ہزار سے بڑھا دی جائے تاکہ ہمیں گورنمنٹ سکیورٹیز یا NIT خریدنا ہی نہ پڑیں۔ انجمن کا نقد سرمایہ ہر حال میں قومی بینکوں میں ہی جمع رہتا ہے لہٰذا اصولاً ہمارا سرمایہ خواہ NIT میں لگا ہو یا کسی قومی بینک میں جمع ہو' حکومت ہی کی تحویل میں رہتا ہے!

بقیہ: حکمتِ اقبال

گل سے غائب کا یا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ دورِ حاضر کا انسان محض حیوانات کی سطح پر آگیا ہے اور نیک و بد اور زشت و زیبا میں فرق نہیں کر سکتا۔

حکمتِ اشیا فرنگی زاد نیست — اصلِ او جز لذتِ ایجاد نیست
چوں عرب اندر اروپا پر کشاد — علم و حکمت را بنا دیگر نہاد
دانہ آں صحرا نشیناں کاشتند — حاصلش افرنگیاں برداشتند
ایں پری از شیشۂ اسلاف ماست — باز صیدش کن کہ او از قافِ ماست
لیکن از تہذیبِ لا دینی گریز! — زانکہ او با اہلِ حق دارد ستیز
فتنہ ہا ایں فتنہ پرداز آورد — لات و عزّیٰ در حرم باز آورد
از فسونش دیدۂ دل نابصیر — روح از بے آبیٔ او تشنہ میر
لذّتِ بے تابی از دل مے برد — بلکہ دل از پیکرِ گل مے برد

مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور کے

انیسویں سالانہ اجلاس کی رُوداد

یہ روداد اگرچہ پچھلے شمارے میں شامل تھی لیکن زیرِ نظر شمارہ چونکہ مرکزی انجمن کے تمام اراکین کو ارسال کیا جا رہا ہے لہٰذا اسکی مکرر اشاعت ضروری خیال کی گئی جس کے لیے ہم حکمتِ قرآن' کے مستقل قارئین سے معذرت خواہ ہیں۔ (ادارہ)

۱۔ الحمدللہ کہ مرکزی انجمن کا انیسواں سالانہ اجلاس ۲۶ر اپریل ۹۱ء کو بعد نماز عصر قرآن اکیڈمی میں منعقد ہوا۔ نماز عصر کے فوراً بعد شرکائے اجلاس کو چائے پیش کی گئی۔ چائے کے بعد قرآن اکیڈمی مسجد ہال میں محترم صدر مؤسس جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی صدارت میں باقاعدہ اجلاس کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا۔

۲۔ محترم محمد بشیر ملک صاحب' معتمد انجمن کی علالت کے باعث سٹیج سیکرٹری کے فرائض سراج الحق سید' ناظم اعلیٰ نے ادا کئے۔ انہوں نے حاضرین جلسہ کو محترم صدر مؤسس' مجلسِ منتظمہ اور اپنی طرف سے خوش آمدید کہا اور ملک صاحب کی صحت کے لئے دعا کی۔

۳۔ انجمن کے رکنِ مجلس منتظمہ جناب ڈاکٹر عارف رشید صاحب نے سال ۱۹۹۰ء کے سالانہ اجلاس کی کارروائی پڑھ کر سنائی جس کی توثیق کر دی گئی۔

۴۔ اس کے بعد ناظم اعلیٰ نے ۱۹۹۰ء کی سالانہ رپورٹ کی highlights بیان کیں۔ انہوں نے گزشتہ سال تین نئے اعزازی نا ئبین یعنی ناظم بیرون ملک' ناظم قرآن کالج اور ناظم ذرائع سمع و بصر کا تقرر اور ان کی ذمہ داریوں کا ذکر کیا اور مختلف شعبوں کی کارکردگی پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہوئے حاضرین کو مندرجہ ذیل معلومات بہم پہنچائیں:

(ا) اکیڈمک ونگ:

(i) یہ امر قابلِ اطمینان ہے کہ سال کے دوران دونوں ماہنامے "میثاق" اور "حکمت قرآن" الحمدللہ باقاعدگی سے شائع ہوئے۔

(ii) دورانِ سال انجمن کی بعض مطبوعات کی دوبارہ اشاعت کے علاوہ تین نئی کتب شائع کی گئیں' جس میں خصوصیت سے قابلِ ذکر کتاب وہ ہے جو "دعوت رجوع الی

القرآن۔ منظر و پس منظر" کے عنوان سے شائع کی گئی ہے۔ یہ کتاب نہ صرف محترم صدر مؤسّس کی فکری و نظری اور دعوتی و تحریکی کاوشوں کا نچوڑ ہے بلکہ مرکزی انجمن خدام القرآن کی دعوت رجوع الی القرآن کے میدان میں اب تک کی کارگزاری کا بڑا عمدہ خلاصہ بھی ہے۔

(iii) اور یہ کہ کتابوں کی اشاعت میں ان کے ظاہری حُسن اور گٹ اپ کی طرف اب خصوصی توجہ دی جا رہی ہے۔

(ب) مکتبہ:

یہ شعبہ دعوت رجوع الی القرآن کا focal point ہے۔ یہ شعبہ کتب و رسائل کے علاوہ آڈیو اور ویڈیو کیسٹس پر محترم صدر مؤسس کے دُروس و خطابات اندرونِ ملک اور مشرق و مغرب دونوں سمت میں بیرونِ ملک پہنچانے کا ذمہ دار ہے۔ ۱۹۹۰ء میں آڈیو اور ویڈیو کیسٹس کی تعداد فروخت ۱۹۸۹ء کے مقابلہ میں بالترتیب ۳۲ اور ۷۰ فیصد زائد تھی۔

(ج) قرآن کالج:

ایف اے اور بی اے کی معمول کی کلاسوں کے ساتھ ساتھ ایک سالہ دینی کورس بھی جاری رہا۔ اس ایک سالہ کورس کے ۱۹۹۰ء کے batch کا نتیجہ اطمینان بخش رہا۔ B.A. کے پہلے batch نے اس سال فائنل کا امتحان دیا۔ ۱۳ طلبہ میں سے ۸ طلبہ پاس ہوئے' ۵ نے فرسٹ ڈویژن اور ۳ نے سیکنڈ ڈویژن حاصل کیا۔ ۵ طلبہ کا انگریزی کے مضمون میں compartment آیا اور وہ ۱۹۹۱ء کے اوائل میں اس مضمون میں دوبارہ امتحان دینے والے تھے۔

قرآن حکیم کی فکری اور عملی رہنمائی کے لئے خط و کتابت کورس میں گزشتہ سال تقریباً ۵۰۰ طلبہ نے داخلہ لیا۔ کورس کی کتب اور کیسٹس کی کُل قیمت فی طالب علم ایک ہزار روپیہ بنتی ہے جس میں سے صرف ۴۰۰ روپے ہر طالب علم سے لئے جاتے ہیں۔ جبکہ ۶۰۰ روپے فی طالب علم انجمن خود برداشت کرتی ہے۔ گزشتہ سال عربی گرامر کی تدریس کے ضمن میں ایک نیا خط و کتابت کورس بھی شروع کیا گیا ہے۔

(د) قرآن آڈیٹوریم:

صد شکر کہ آڈیٹوریم کی تعمیر مکمل ہوئی اور ۱۹۹۰ء کے آخر میں اس کی Finishing اور Furnishing کا کام جاری تھا۔ الحمدللہ یہ کام بھی اب مکمل ہو چکا ہے۔ سوائے ایئر کنڈیشننگ کے جس کا ابتدائی مرحلہ ان شاء اللہ آئندہ چند ہفتوں میں مکمل ہو جائے گا۔ اس سال محاضراتِ قرآنی اسی آڈیٹوریم میں منعقد ہوئے اور اس موقع پر ایک اہل علم و دانش نے یہ comment کیا کہ انہوں نے کئی آڈیٹوریم دیکھے ہیں مگر اس شان کا آڈیٹوریم ان کی نظر سے نہیں گزرا! بہرحال اینٹ اور گارے کی عمارت سے کہیں اہم تر وہ مقصد ہے جس کے لئے ایک عمارت تعمیر کی جائے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اس آڈیٹوریم میں جلد ہی محترم صدر مؤسس ڈاکٹر اسرار احمد صاحب اپنے دل نشیں اور مخصوص انداز میں از اوّل تا آخر تسلسل کے ساتھ پورے قرآن حکیم کے درس کا آغاز کرنے والے ہیں اور یہ پروگرام اعلیٰ فنّی سطح پر آڈیو، ویڈیو ٹیپ پر حاضرین کی موجودگی میں LIVE ریکارڈ کیا جائے گا۔ ارادہ ہے کہ یہ پروگرام ہر ہفتہ دو یا تین بار منعقد کیا جائے۔

۵۔ جناب احسن الدین صاحب، رکن مجلس منتظمہ نے ناظم بیت المال جناب شیخ محمد عقیل صاحب کی طرف سے سال ۱۹۹۰ء کے حسابات پیش کئے۔ سالانہ حسابات کی چیدہ چیدہ figures سالانہ رپورٹ میں بھی شائع کر دی گئی تھیں۔ شاید یہی وجہ ہو کہ استفسار کے باوجود حاضرین کی طرف سے کسی مزید تشریح کا تقاضا نہیں کیا گیا۔

۶۔ ناظم اعلیٰ نے مرکزی انجمن کی رکنیت کے ابتدائی زرِ تعاون اور ماہانہ اعانتوں میں ستمبر ۹۰ء سے اضافہ کے بارے میں مجلس منتظمہ کے فیصلہ سے شرکاء اجلاس کو مطّلع کیا۔ حاضرین نے ہاتھ بلند کر کے اس فیصلہ کی توثیق کر دی۔ آخر میں ناظمِ اعلیٰ نے حاضرین کی توجہ انجمن کے دستور کے نظرثانی شدہ ایڈیشن (Revised Edition) کی طرف دلائی کہ یہ اہم دستاویز اسی ہال میں ایک میز پر سالانہ رپورٹ کے ساتھ موجود ہے جسے شرکائے اجتماع حاصل کر سکتے ہیں۔ انہوں نے وہ وجوہ بیان کیں جن کے سبب سے یہ دستور دوبارہ شائع کیا گیا ہے۔ انہوں نے حاضرین سے خصوصیت سے استدعا کی کہ دستور میں محترم صدر مؤسس کی دو اہم تحریریں بعنوان "تقدیم" اور "پس منظر" اور اس کے ساتھ قرارداد تاسیس اور توضیحِ قرارداد کا ایک بار پھر بغور مطالعہ کریں تاکہ جس اعلیٰ مقصد

کے لئے ہم سب نے انجمن میں شرکت کی ہے' وہ مقصد ہمارے ذہنوں میں مستحضر ہو جائے۔

۷۔ تجاویز و مشورے:

کوئی نئی تجویز تو حاضرین کی طرف سے نہیں پیش کی گئی' البتہ انجمن کے ماہانہ پروگرام کو جاری رکھنے کے بارے میں دو حضرات' ڈاکٹر محمد یقین صاحب اور جناب رشید احمد اپل صاحب نے اس پروگرام کو جاری رکھنے کا پرزور تقاضا کیا اور اسے نہایت مفید قرار دیا۔

۸۔ آخر میں محترم صدر مؤسس جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے خطاب فرمایا۔ انہوں نے سورۃ السجدہ کی آیات نمبر ۲۱ تا ۲۵ کے حوالے سے دعوت رجوع الی القرآن کے ضمن میں اپنی ۲۷ سالہ مساعی اور انجمن کی ۱۹ برس کی کوششوں کا ذکر کیا کہ جس طرح ان دو دہائیوں سے زائد عرصہ میں پاکستان میں قرآن کریم کی بنیاد پر تذکیر کی گئی ہے' وہ پوری دنیا میں اپنی مثال آپ ہے۔ انہوں نے وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا ؕ اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ۔ (ترجمانی: اور اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا جسے اس کے ربّ کی آیات کے ذریعے سے سمجھایا گیا' اس کے باوجود اس نے منہ موڑا' تو ایسے مجرموں سے تو ہم انتقام لے کر رہیں گے) کے حوالے سے اس جانب توجہ دلائی کہ کہیں ہم اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے انتقام کی وعید کا مستحق بنا تو نہیں چکے!!۔

انجمن کے ماہانہ اجتماع کو جاری رکھنے کا فیصلہ سناتے ہوئے' محترم صدر مؤسس نے سب سے پہلے تو حاضرین سے یہ وعدہ لیا کہ وہ نہ صرف اس ماہانہ اجتماع میں شرکت کیا کریں گے بلکہ اس دن وہ جمعہ کے خطاب میں بھی جو قرآن اکیڈمی میں ہوا کرے گا' شرکت کیا کریں گے۔ حاضرین کے اس وعدہ کے بعد ڈاکٹر صاحب نے ماہانہ اجتماع کے لئے مندرجہ ذیل outlines کا اعلان کیا:

(i) یہ ماہانہ اجتماع آئندہ قرآن اکیڈمی کی بجائے شہر کے مختلف حصوں میں منعقد کیا جائے گا اور اس میں لاہور کے تمام اراکین کو مدعو کیا جائے گا۔

(ii) یہ اجتماع ہر ماہ کے آخری جمعہ کو منعقد ہوگا۔

(iii) ہر ماہ کوئی ایک رکنِ انجمن اس اجتماع کے میزبان ہوں گے۔

(باقی صفحہ ۶۴ پر)

سورۃ البقرۃ (۱۹)

آیت : ۲۵

ملاحظہ: کتاب میں حوالہ کے لیے قطعہ بندی (پیراگرافنگ) میں بنیادی طور پر تین ارقام (نمبر) اختیار کیے گئے ہیں۔ سب سے پہلا (دائیں طرف والا) ہندسہ سورۃ کا نمبر شمار ظاہر کرتا ہے۔ اس سے اگلا (درمیانی) ہندسہ اس سورۃ کا قطعہ نمبر (جو زیرِ مطالعہ ہے اور جو کم از کم ایک آیت پر مشتمل ہوتا ہے) ظاہر کرتا ہے۔ اس کے بعد والا (تیسرا) ہندسہ کتاب کے مباحثِ اربعہ (اللغۃ، الاعراب، الرسم اور الضبط) میں سے زیرِ مطالعہ مبحث کو ظاہر کرتا ہے یعنی علی الترتیب اللغہ کے لیے ۱، الاعراب کے لیے ۲، الرسم کے لیے ۳ اور الضبط کے لیے ۴ کا ہندسہ لکھا گیا ہے۔ بحث اللغہ میں چونکہ متعدد کلمات زیرِ بحث آتے ہیں اس لیے یہاں حوالہ کی مزید آسانی کے لیے نمبر ۱ کے بعد قوسین (بریکٹ) میں متعلقہ کلمہ کا ترتیبی نمبر بھی دیا جاتا ہے۔ مثلاً ۲ : ۵ : ۱ (۳) کا مطلب ہے سورۃ البقرہ کے پانچویں قطعہ میں بحث اللغۃ کا تیسرا لفظ اور ۲ : ۵ : ۳ کا مطلب ہے سورۃ البقرہ کے پانچویں قطعہ میں بحث الرسم۔ وھکذا۔

اہلِ علم سے گزارش ہے کہ اگر ان کو مندرجہ بالا طریقِ قطعہ بندی برائے حوالہ میں از روئے استعمال کوئی دقت یا خرابی نظر آتی ہے تو وہ ہمیں اس کے لیے کوئی متبادل طریقِ حوالہ تجویز فرمائیں جس میں کتاب کے مذکورہ بالا مباحثِ اربعہ کو بھی ملحوظ رکھا جا سکے۔

۱۸:۲ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا
الْاَنْهٰرُ ۭ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ
رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ
قَبْلُ ۙ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ۭ وَلَهُمْ فِيْهَا
اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙ وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۲۵

۱:۱۸:۲ اللغة

۱:۱۸:۲ (۱) [وَبَشِّرْ] میں ابتدائی واو عاطفہ یہاں بمعنیٔ استیناف ہے جس کا اردو ترجمہ بہرحال " اور " سے ہی ہوگا۔ واو الاستیناف پر مفصّل بات البقرہ : ۸ یعنی ۱:۷:۲ (۱) میں گزر چکی ہے۔ اور " بَشِّرْ " (جس میں ساکن " رْ " کو آگے ملانے کے لیے کسرہ (ـِ) دی گئی ہے) کا مادہ " ب ش ر " اور وزن " فَعِّلْ " ہے۔ اس مادہ سے فعل ثلاثی مجرّد مختلف ابواب سے مختلف معنی کے لیے آتا ہے مثلاً (۱) بشَر یبشُرُ بَشْرًا (باب ضرب اور نصر سے) آئے تو اس کے معنی " دباغت کے لئے کھال کو چھیلنا " ہوتے ہیں اور صرف باب نصر سے اس کے معنی "مونچھوں کو اتنا کٹوانا کہ نیچے سے بَشَرَۃ (جلد) ظاہر ہو جائے" ہوتے ہیں۔ (۲) بشِر یبشَر بَشْرًا (نصر سے) کے معنی " خوش ہونا " ہیں اور باب سمِعَ سے مگر مصدر " بِشْرًا " کے ساتھ بھی یہی معنی دیتا ہے۔ (۳) بشَرہ

بکذا بُشرًا (نصر سے) سے متعدی استعمال ہوتا ہے اور اس کے معنی ہیں۔ "..... کو ..... سے خوش کرنا" اور (۴) "بشِر بشَرًا بکذا" (باب ضرب اور سمع سے) بمعنی "..... سے خوش ہونا" آتا ہے جب کہ (۵) بشُرَ بَشارةً (باب کرم سے) سے "خوبصورت ہونا" کے معنوں میں آتا ہے. تاہم قرآن کریم میں اس فعل مجرد سے (کسی باب سے اور کسی معنی کے لیے) فعل کا کوئی صیغہ کہیں مستعمل نہیں ہوا۔ اس مادہ سے زیادہ تر افعال باب تفعیل سے (۳۸ جگہ)، باب مفاعلہ سے (صرف دو صیغے) باب استفعال سے (چھ جگہ) اور باب اِفعال سے (صرف ایک صیغہ) آئے ہیں۔ ان کے علاوہ دیگر مشتقات ستّر سے زیادہ مقامات پر آئے ہیں۔

زیر مطالعہ لفظ "بَشِّرْ" اس مادہ (بشر) سے باب تفعیل کا فعلِ امر۔ صیغہ واحد مذکر حاضر ہے۔ اور اس باب سے فعل "بَشَّرَ..... يُبَشِّرُ تبشيرًا" کے معنی ہیں "..... کو خوشخبری سنانا" — ایسی خبر سنانا جس سے اس کے چہرے پر "بِشر" (خوشی کے آثار) ظاہر ہوں"۔

اس طرح یہ فعل متعدی استعمال ہوتا ہے اور اس کا مفعول (جسے خوشخبری دی جائے)، بغیر کسی صلہ کے (بنفسہٖ) منصوب آتا ہے۔ اور جس چیز کی خوشخبری دی جائے اس پر یا تو باء (بِ) داخل ہوتی ہے (شروع میں لگتی ہے) یا "اَنَّ" سے شروع ہونے والا ایک جملہ ہوتا ہے جو دراصل "بِاَنَّ" ہی ہوتا ہے۔ یعنی اس "اَنَّ" سے پہلے ایک (بِ) مقدر ہوتا ہے جیسے آیت زیر مطالعہ میں ہے۔ اور یہ استعمال بھی قرآن کریم میں صرف اسی ایک جگہ آیا ہے۔ ورنہ یہ دوسرا مفعول (جس کی خوشخبری دی جائے) ہر جگہ (قریباً ۳۶ جگہ) یا تو "بِ" کے ساتھ مذکور رہا یا پھر مذکور ہی نہیں ہوا یعنی محذوف ہوتا ہے۔

● اس فعل (بَشَّرَ) کے ساتھ "بِ" یا "اَنَّ" کے استعمال کے سلسلے میں اصول یہ ہے کہ اگر کلام طویل ہو جائے تو یہ "بِ" حذف کرنا جائز

ہے مگر مختصر کلام میں یہ حذف ناجائز ہے ۔ مثلاً " بَشَّرَہٗ بِاَنَّ لَہُ الْجَنَّۃَ" کو " بَشَّرَہٗ اَنَّ لَہُ الْجَنَّۃَ " کہنا درست ہے مگر " بَشَّرَہٗ بِالْجَنَّۃِ" کو " بَشَّرَہُ الْجَنَّۃَ " کہنا غلط ہے ۔ آگے چل کر اس فعل کے " باء " کے حذف یا اثبات کے ساتھ استعمال کی کئی مثالیں سامنے آئیں گی ۔

● " تبشیر " کے بنیادی معنی " اچھی خبر دینے " کے ہوتے ہیں ۔ البتہ کبھی طنزاً اور تہکماً " دوزخ کی خوشخبری دینا " یا " عذاب کی خوشخبری دینا " کے لیے بھی استعمال ہوا ہے ۔

[اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا] " اَلَّذِیْنَ " اسم موصول برائے جمع مذکر بمعنی " وہ لوگ جو کہ / ان لوگوں کو جو " ہے اور فعل " آمنوا " کا مادہ " ا م ن " اور وزن " اَفْعَلُوْا " ہے ۔ یعنی یہ فعل " آمن یُؤْمِنُ اِیْمَانًا " (بابِ افعال) سے فعل ماضی معروف کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے ۔ یعنی " وہ ایمان لائے " یہاں " اٰمَنُوْا " بغیر صلہ (بِ یا لِ) کے آیا ہے ۔ اس لیے کہ اصطلاحی معنی میں یہ بات موجود ہے کہ کن چیزوں پر ایمان مراد ہے یعنی " توحید، رسالت، آخرت وغیرہ پر ایمان لائے " ۔ جن امور پر ایمان لانا اسلام کی بنیاد کی پہچان ہے ۔ " الذین " کی مزید وضاحت کے لئے الفاتحہ : ۷ یعنی ۱:۶:۱(۱) اور " آمنوا " کے مادہ، فعل مجرد، باب اور معانی کی مزید وضاحت کے لیے البقرہ : ۳ یعنی ۲:۲:۱(۱) کی طرف رجوع کیجئے ۔

۲:۱۸:۱(۲) [وَعَمِلُوْا] میں " وَ " تو عاطفہ بمعنی " اور " ہے ۔ اور " عَمِلُوْا " کا مادہ " ع م ل " اور وزن " فَعِلُوْا " ہے ۔ اس مادہ سے فعل ثلاثی مجرد " عَمِلَ ... یَعْمَلُ عَمَلاً " (باب سمع سے) آتا ہے ۔ اور اس کے معنی (۱) (کوئی کام) کرنا (۲) (عمل) کرنا (۳) (محنت) کرنا (۴) (کام) سرانجام دینا (۵) .... کو تیار کرنا (۶) .... کو بنانا اور (۷) .... کو بجا لانا ۔

ہوتے ہیں ۔ یہ فعل متعدی ہے اور اکثر اس کے ساتھ اس کا مفعول (بنفسہٖ) مذکور ہوتا ہے ۔ بعض اہلِ لغت نے لکھا ہے کہ " باب سمع " سے یہ واحد فعل ہے۔ جس کا مصدر " فَعَلٌ " کے وزن پر آتا ہے ۔ ورنہ عموماً (اس باب کے مصدر کا وزن) " فَعْلٌ " آتا ہے ۔

● اردو میں خود لفظ " عمل " متعارف اور متداول ہے اس لیے اس کا ترجمہ " عمل کرنا " بھی استعمال ہوتا ہے ۔ " عَمِل یعمَل " مطلقاً اچھے یا برے ہر قسم کے کام کے (کرنے) لیے آتا ہے ۔ اچھے یا برے کی تمیز عبارت یا اس کے سیاق و سباق سے ہوتی ہے ۔ عربی زبان کے دو لفظ " عَمَلٌ " اور فِعْلٌ (فَعَلَ یَفْعَلُ فِعْلًا) سے) قریباً ہم معنی ہیں اور اردو میں دونوں کا ترجمہ " عمل " اور " فعل " کے علاوہ " کام " سے کیا جاتا ہے ۔ تاہم " عمِل یعمَل " کے معنی عموماً " کام کرنا " ہوتے ہیں اور " فعَل یفعَل " کا ترجمہ صرف " کرنا " کیا جاتا ہے ۔ اس فرق کو راغب (مفردات میں) اور بعض دیگر اہل لغت نے یوں سمجھایا ہے کہ " عمل " میں قصد، ارادہ اور کوشش (سے کرنے) کا مفہوم شامل ہوتا ہے۔ جب کہ " فعل " " عمل بلا قصد " کو بھی کہتے یعنی " فعل " " عمل " سے زیادہ عام ہے یا عمل فعل سے زیادہ خاص ہوتا ہے ۔

یہ فعل (عمِل یعمَل) قرآن کریم میں کثیر الاستعمال ہے ۔ صرف ثلاثی مجرد سے ہی اس کے مختلف صیغے ۲۷۵ جگہ آئے ہیں اور اسماء، مصادر اور دیگر مشتقات ۸۰ سے زائد مقامات پر وارد ہوئے ہیں ۔ اور موقع استعمال کے لحاظ سے اس فعل کے مختلف معنوں کا (جو اوپر بیان ہوئے ہیں) تعین ہوتا ہے ۔

۱۸ : ۱ (۳) [الصّٰلِحٰتِ] جس کی عام عربی املاء " الصالحات " ہے ۔ اس کا مادہ " ص ل ح " اور وزن (لام تعریف کے بغیر) اور بصورت رفع " فاعلاتٌ " ہے ۔ اس مادہ سے فعل ثلاثی مجرد " صلَح یصلُح صلاحًا " (عموماً باب نصر سے) آتا ہے اور اس کے بنیادی معنی ہیں : " ٹھیک ٹھاک ہونا، خرابی یا برائی

سے پاک ہونا، قابل ہونا یا صلاحیت والا ہونا" اور اس طرح اس میں "نیک ہونا" کا مفہوم پیدا ہوتا ہے۔ اور اس سے اسم الفاعل مذکر "صالحٌ" بمعنی نیک مرد اور مؤنث "صَالِحَۃٌ" بمعنی نیک عورت آتا ہے۔ اور لفظ "صالحۃٌ" نیک عمل اور اچھے کام کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ بنیادی طور پر تو "صالح" یا "صالحۃ" صفت کا کام دیتے ہیں۔ اور نیک عمل (واحد کے لیے) "عمل صالحٌ" (نیک کام) اور "نیک اعمال" (جمع کے لیے) "اعمالٌ صالحۃٌ" یا "اعمالٌ صالحاتٌ" کہہ سکتے ہیں۔ پھر جمع مؤنث کا موصوف حذف کر دیتے ہیں۔ اور "الصالحات" سے مراد ہی یا تو "النساء الصالحات" یعنی نیک عورتیں ہوتی ہیں یا "الاعمال الصالحات" یعنی نیک اعمال یا صرف "نیکیاں" مراد ہوتی ہیں۔ یہ لفظ (الصالحات) بمعنی نیک عورتیں تو قرآن کریم میں صرف ایک جگہ (النساء : ۳۴) آیا ہے اور بمعنی نیک اعمال یا "اچھے کام" ساٹھ سے زیادہ جگہ آیا ہے۔

● اس مادہ (ص ل ح) سے فعل ثلاثی مجرد کا بھی صرف ایک ہی صیغہ (صَلَحَ) صرف دو جگہ (الرعد : ۲۳ اور المؤمن : ۸) آیا ہے۔ مزید فیہ میں سے صرف باب اِفعال کے مختلف صیغے ۲۸ جگہ آئے ہیں۔ اور مجرد و مزید فیہ سے اسماء مشتقہ وغیرہ کے مختلف الفاظ پچاس کے قریب مقامات پر وارد ہوئے ہیں۔

[اَنَّ لَهُمْ] "اَنَّ" کے معنی "بے شک" یقیناً اور "لھم" کا ترجمہ "اُن کے لیے" ہے یعنی "بے شک اُن کے لیے ہیں / ہوں گے" (کیونکہ آگے جمع کا صیغہ آ رہا ہے)۔

۱:۱۸:۱ (۴) [جَنّٰتٍ] جس کی عام عربی املاء "جنات" ہے۔ اس کا مادہ "ج ن ن" اور وزن "فَعْلَاتٌ" ہے۔ یعنی اس کی اصلی شکل "جَنْنَات" تھی پھر دونوں "ن" مدغم ہو گئے۔ اور یہ (جنات) "جَنَّۃٌ" بر وزن فَعْلَۃ" کی جمع مؤنث سالم ہے۔

اس مادہ سے فعل ثلاثی مجرد "جَنَّ ...... یَجُنُّ جَنَانًا" (عموماً باب نصر سے) آتا ہے۔ اور اس کے معنی ہیں ...... کو چھپا لینا، ...... کو ڈھانپ لینا" یعنی یہ فعل متعدی ہے اور کبھی (باب ضرب سے) "جَنَّ یَجِنُّ جَنًّا" بطور فعل لازم بمعنی

" پوشیدہ ہونا، چھپنا " بھی آتا ہے (تاہم یہ استعمال قرآن کریم میں نہیں آیا) اور بطور فعل متعدی اس کا مفعول بنفسہٖ بھی آتا ہے اور " علی " کے صلہ کے ساتھ بھی۔ یعنی "جَنَّهٗ و جنَّ علیہ " (اس نے اس کو ڈھانپ لیا)۔ اور اگر اس فعل کا فاعل " اللیلُ " کسی مفعول کے ذکر کے بغیر آئے مثلاً " جنَّ اللیلُ " تو اس کے معنی "تاریک ہونا " ہوتے ہیں۔ قرآن کریم میں اس فعل مجرد سے فعل ماضی کا ایک ہی حرف ایک جگہ (الانعام : ۷۶) آیا ہے اور وہ بھی " علی " کے صلہ کے ساتھ۔ اس مادہ سے فعل مجرد بصورت مجہول " جُنَّ الرَّجلُ جُنونا " پاگل ہو جانا " کے معنی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ تاہم قرآن کریم میں اس سے بھی فعل کا کوئی صیغہ نہیں آیا۔ البتہ اس مادہ (جنن) سے مختلف اسماء اور مشتقات کے مختلف صیغے دو سو (۲۰۰) سے زائد جگہ وارد ہوئے ہیں۔

اہلِ لغت نے اس مادہ (جنن) کی یہ خصوصیت بتائی ہے کہ اس سے مشتق ہونے والے تمام افعال و اسماء میں چھپنے یعنی " پوشیدگی " کا مفہوم موجود ہوتا ہے جیسے: الجِنُّ، جُنَّة (ڈھال)، جَنَّة (گھنا باغ)، اَجِنَّة (جَنِیْن کی جمع)، مجنونٌ، جِنَّةٌ (جن) وغیرہ۔ اور یہ کلمات تو قرآن کریم میں آئے ہیں جن پر حسب موقع بات ہوگی۔ انشاء اللہ العزیز۔

قرآن میں استعمال نہ ہونے والے مگر پوشیدگی کی خصوصیت کے مظہر الفاظ میں سے الجَنَن (قبر)، المِجَنّ (ڈھال)، الجَنِیْن (بچہ جو ابھی ماں کے پیٹ میں ہو) نیز الجنین (قبر میں مدفون) اور الجَنَان (قلب، دل) قابل ذکر ہیں[1]۔ "جَنَّةٌ" کے اصل بنیادی معنی بھی ایسا " گھنا باغ " ہے جس کی زمین سورج کی شعاعوں سے پوشیدہ رہے یا جس کی چھاؤں نے زمین کو چھپا رکھا ہو۔ بعض اہل زبان " جَنّة " صرف اس باغ کو کہتے ہیں جس میں انگور اور کھجور کے پودے اور درخت موجود ہوں۔ ورنہ اسے صرف " حدیقة " کہتے ہیں[2]۔

---

[1] دیکھئے اعراب ثلاثین سورة (لابن خالویہ) ص ۲۴۰ و ۲۴۱ -
[2] دیکھئے البستان مادہ " جنن "

● قرآن کریم میں یہ لفظ ("جَنَّة" یا اس کی جمع "جنّات") مطلقاً باغ یا باغات کے معنی میں بھی آیا ہے۔ تاہم زیادہ تر اس سے مراد وہ باغ (الجنّة) یا باغات (جنات) ہیں جن کا آخرت (مابعد الموت زندگی) میں نیک لوگوں کو ملنے کا وعدہ کیا گیا ہے۔ (اور ان معنوں میں یہ لفظ بصورت واحد یا جمع ایک سو بیس کے قریب مقامات پر مذکور ہوا ہے)۔ اور اس لحاظ سے یہ ایک خاص اسلامی اصطلاح ہے۔ اور اس کا ترجمہ عموماً فارسی لفظ "بہشت" سے کیا جاتا ہے جس کے اصل معنی چاہے کچھ تھے (ایران میں "اردی بہشت" ایک مہینے کا نام بھی ہے) مگر اب وہ لفظ "الجنّة" کے مترادف (IDENTICAL) بن چکا ہے۔ اور خود لفظ "جنّت" بھی اپنے ان ہی اصطلاحی معنی کے ساتھ اردو میں بھی مستعمل ہے۔ اس لفظ کے عام لغوی معنی اور اصطلاحی معنی کا تعیّن عبارت کے اندر سیاق و سباق سے ہو جاتا ہے۔

۱۸:۲ : ۱ (۵) [تَجْرِیْ] کا مادہ "ج ر ی" اور وزن اصلی "تَفْعِلُ" ہے۔ اور اس کی اصلی شکل "تَجْرِیُ" تھی جس میں آخری یاء (ی) اپنے ماقبل کے مکسور ہونے کی بناء پر ساکن ہو جاتی ہے۔

اس مادہ سے فعل ثلاثی مجرد "جَرَی یَجْرِی جَرْیًا و مَجْرًی" (باب ضرب سے) آتا ہے اور اس کے بنیادی معنی تو پانی کا بہنا بلکہ تیزی سے بہنا" ہیں۔ پھر اس سے اس میں "گزرنا، رواں ہونا، جاری ہونا، دوڑنا (گھوڑے کا) چلنا (ہوا یا کشتی کا) کے معنی پیدا ہوتے ہیں۔ قرآن کریم میں اس فعل مجرد سے افعال کے مختلف صیغے ۵۷ جگہ اور مختلف اسماء و مشتقات سات جگہ آئے ہیں۔ یہاں "تجری" کا ترجمہ "چلتی ہیں، بہتی ہیں/ ہوں گی) بہہ رہی ہیں" سے کیا گیا ہے۔

۱۸:۲ : ۱ (۶) [مِنْ تَحْتِهَا] یہاں ابتدائی "مِنْ" بمعنی "سے" ہے اور آخری ضمیر مجرور "ھا" کے معنی یہاں "اس کے یا ان کے" ہوں گے۔ اور لفظ "تحت" کے معنی ہیں "..... کے نیچے"۔ اس لفظ (تحت) کا مادہ یہی (ت ح ت) ہی

ہے ۔ اور وزن " فَعْلٌ " ہے ۔ تاہم اس مادہ سے عربی زبان میں کوئی فعل استعمال نہیں ہوتا ۔ اور لفظ " تحتُ " بھی کبھی معرب استعمال نہیں ہوتا ۔ بلکہ یہ ظرف مکان کی حیثیت سے ہمیشہ بصورت " تحتَ " مضاف ہوکر ہی استعمال ہوتا ہے ۔ کبھی اس سے پہلے " مِنْ " لگتا ہے (جیسے یہاں آیت زیرِ مطالعہ میں ہے) ۔ اس صورت میں اسے " من تحتِ ...... " (آخری تاء کے کسرہ کے ساتھ اور مجرور) پڑھا جاتا ہے ۔ کبھی اس کا مضاف الیہ محذوف کردیا جاتا ہے ۔ اس وقت یہ ضمہ (ـُـ) پر مبنی پڑھا جاتا ہے ۔ مثلاً " مِنْ تحتُ " ـــ تاہم یہ آخری استعمال قرآن کریم میں نہیں آیا ۔ (اگرچہ " قبل " اور " بعد " اس طرح مستعمل ہوئے ہیں) ۔ البتہ پہلی ـ اضافت والی ـــ دونوں صورتیں " تحتَها " اور " مِن تحتِها " قرآن کریم میں آئی ہیں ۔ " تَحْتٌ " کبھی بطور اسم آتا ہے اور اس کی جمع " تُحُوتٌ " آئی ہے ۔ یہ لفظ قرآن میں تو نہیں آیا مگر حدیث میں علاماتِ قیامت کے سلسلے میں آیا ہے ۔ چاہیں تو " القاموس " میں اس کے معنی دیکھ لیجئے ۔

۲:۱۸:۱(۷) [الْأَنْهٰرُ] (جس کا رسم املائی " الانہار " ہے) کا مادہ " ن ھ ر " اور وزن (لام تعریف نکال کر) " افعالٌ " ہے ۔ اس مادہ سے فعل ثلاثی مجرد " نهَر ..... ینْھَر نَھْرًا " (باب فتح سے) آتا ہے اور اس کے مختلف معنی ہوتے ہیں مثلاً (۱) (پانی کا) زور سے بہنا (۲) پانی کا بہتے ہوئے اپنے لیے راستہ بنانا (۳) زمین کو پھاڑنا یا اتنا کھودنا کہ پانی نکل آئے (۴) زبان سے کسی غصے کا اظہار کرنا ' ...... کو جھڑکنا " یعنی یہ فعل لازم متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے اور متعدی کی صورت میں اس کا مفعول (اگر مذکور ہو تو) بنفسہ (منصوب) آتا ہے ۔ تاہم قرآن کریم میں اس مادہ سے فعل مجرّد صرف آخری یعنی (۴) معنی کے لیے اور وہ بھی صرف دو جگہ (الاسراء : ۲۳ اور الضحیٰ : ۱۰) آیا ہے ۔ یہ فعل اپنے دیگر معانی کے لیے قرآن میں استعمال نہیں ہوا ۔

● لفظ " اَنھار " صیغہ جمع (مکسر) ہے اس کا واحد " نَھْرٌ " اور " نَھَرٌ " ہے ۔ (قرآن کریم میں صرف دوسری صورت ـــ " نَھَرٌ " بفتح الھاء ـــ استعمال ہوئی ہے) ۔

پہلی صورت " نَهْرٌ " بسکون الھاء ـــ اردو میں عام مستعمل ہے اس لیے " انہار " کا اردو ترجمہ " نہریں " ہی کیا جاتا ہے ۔ البتہ عربی زبان میں لفظ " نَهَرٌ " انسان کی بنائی ہوئی نہر (CANAL) کے علاوہ دریا (RIVER) کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے ۔ اور قرآن کریم میں بھی ان دونوں معنی کے لیے آیا ہے ۔

[کُلَّمَا] ظرف بمعنی " جب کبھی بھی ، جب بھی " ہے ۔ اس کی بناوٹ ، معنی اور استعمال پر البقرہ : ۲۰ یعنی ۲ : ۱۵ : ۱ (۳) میں بات ہو چکی ہے ۔

[رُزِقُوْا] کا مادہ " رزق " اور وزن " فُعِلُوْا " ہے یعنی یہ اس مادہ کے فعل مجرد کا صیغۂ ماضی مجہول (جمع مذکر غائب) ہے ۔ جس کا ترجمہ تو " ان کو عطا کیا گیا " ہے مگر یہاں " کُلَّمَا " میں معنیٔ شرط کی موجودگی کے باعث اس کا ترجمہ مستقبل کے ساتھ کیا گیا ہے ۔ یعنی " دئے جائیں گے ، ملے گا ان کو ، ان کو دیا جائے گا ، " کی صورت میں ۔ اس فعل کے باب ، معنی اور استعمال کی بحث کے لیے دیکھئے البقرہ : ۳ یعنی ۲ : ۲ : ۱ (۶)

[مِنْهَا] جو حرف جار " مِنْ " بمعنی " میں سے " [دیکھئے ۲ : ۲ : ۱ (۵)] اور ضمیر مجرور " ھا " بمعنی " اس کا مرکب ہے یعنی " اس میں سے " ۔

[مِنْ ثَمَرَةٍ] کا ابتدائی " مِنْ " حرف الجر بمعنی " میں سے " اور " کی قسم کا " ہے اور " ثَمَرَةٌ " کا مادہ " ث م ر " اور وزن " فَعَلَةٌ " ہے ۔ اس مادہ سے فعل مجرد کے باب ، معنی اور استعمال کی وضاحت کے لئے البقرہ : ۲۲ یعنی ۲ : ۱۶ : ۱ (۱۱) کو دیکھئے ۔ جہاں " ثَمَرَةٌ " کی تائے وحدت اور اسکے ترجمہ کی بات بھی کی گئی ـــ یہاں زیر مطالعہ آیت میں اس تائے وحدت اور مِنْ بیانیہ (دیکھئے ۲ : ۲ : ۱ (۵)) کی وجہ سے " مِن ثَمَرَةٍ " کا ترجمہ " میووں سے ، کوئی میوہ ، کوئی پھل ، کسی پھل اور کسی قسم کا پھل " کیا گیا ہے ۔

[رِزْقًا] کا مادہ " رزق " اور وزن " فِعْلًا " ہے ۔ یہ فعل مجرد

" رَزَقَ یرزُق رِزقًا " (دیکھئے ۲:۲:۱ (۶)) کا مصدر بمعنی "روزی دینا" بھی ہے اور اسم بمعنی " روزی" بھی ۔ یہاں اس کے ترجمے کا تعین بحث الاعراب میں کیا جائے گا ۔ (جو ابھی آگے آئے گی)۔

[قَالُوْا] کا مادہ " ق و ل " اور وزن اصلی " فَعَلُوْا " ہے ۔ جس کی اصلی شکل " قَوَلُوْا " تھی ۔ اس مادہ سے فعل مجرد کے باب ، معنی اور اس میں واقع ہونے والی تعلیل وغیرہ کے بارے میں البقرہ : ۸ یعنی ۲:۷:۱(۲) دیکھئے ۔

[هٰذَا الَّذِیْ] هٰذا = یہ اور الّذی = وہ جو کہ ۔ اس طرح اس (هٰذا الّذی) کا لفظی ترجمہ تو بنتا ہے " یہ ہے وہ جو "، جس کا بامحاورہ ترجمہ بیشتر مترجمین نے " یہ وہی ہے جو ' یہ تو وہی ہے جو ، " کی صورت میں کیا ہے ۔ بعض نے صرف " یہ تو " ہی رہنے دیا ہے ۔ مگر اس میں " الذی " کا ترجمہ نظر انداز ہو گیا ہے ۔ اسمائے اشارہ (جن میں سے ایک یہ "هذا" ہے) کا بیان ۲:۱:۱ (۱) میں اور اسمائے موصولہ (جن میں سے " الذی " بھی ہے) کا بیان ۱:۶:۱ (۱) میں گزر چکا ہے ۔

[رُزِقْنَا] کا مادہ " رزق " اور وزن " فُعِلْنَا " ہے ۔ یعنی یہ اس فعل مجرد کا (جس پر بات ۲:۲:۱ (۶) میں ہو چکی ہے) ماضی مجہول صیغہ جمع متکلم ہے ۔ جس کا ترجمہ " دئیے گئے ہم ، ملا تھا ہم کو ، ہم کو ملا تھا / مل چکا تھا ' ہمیں مل چکا ہے ، " کی صورت میں کیا گیا ہے ۔

[مِنْ قَبْلُ] میں " قبل " کا مضاف الیہ محذوف ہے اس لیے اس کا ترجمہ " پہلے ہی یا پہلے بھی " ہو گا ۔ اگرچہ بعض مترجمین نے " اس سے پہلے ' اس سے پیشتر " کے ساتھ ترجمہ کیا ہے یعنی " مِنْ قبلِ ذٰلكَ " کی طرح اور بعض نے صرف " قَبْلُ " کا ترجمہ " پہلے " کر دیا ہے ۔ جس میں " مِنْ " کی وجہ سے پیدا ہونے والا زور (ہی) موجود نہیں ہے ۔ " قَبْلُ " کے معنی اور استعمال پر البقرہ : ۴ یعنی

۲:۳:۱(۴) میں بات ہوچکی ہے ۔
۲:۱۸:۱(۸) [وَ اُتُوْا بِہٖ] میں ابتدائی " واو" عاطفہ بمعنی " اور "ہے اور " اُتُوْا " کا مادہ " ا ت ی" اور وزن اصلی " فُعِلُوْا " ہے ۔اس کی اصلی شکل " اُتِیُوْا " تھی ۔جس میں واو الجمع سے ماقبل آنے والی " یاء" (جو لام کلمہ ہے) کو ساقط کر دیا جاتا ہے اور پھر اس سے ماقبل کی " تاء" کو (جو عین کلمہ ہے) مکسور ہونے کی وجہ سے مضموم کر دیا جاتا ہے ۔یہ قاعدہ آپ اب تک بہت سے افعال (مثلاً " اشتروا " ، مَشَوْا ، فَأتُوْا ، اتقُوا وغیرہ) میں ملاحظہ کر چکے ہیں ۔

● اس مادہ (اتی) سے فعل مجرد کے باب " اتی یاتی اتیانًا " کے معنی (آنا کرنا وغیرہ) پر ابھی اوپر ۲:۱۷:۱(۴) میں بات ہوچکی ہے ۔ اس فعل کے ساتھ " بِ" کا صلہ آئے تو اس کے معنی " لانا " ہوتے ہیں ۔ یعنی " اتی بِ..... " = ... کو لے آنا ۔اور اس کے مجہول فعل " اُتِیَ بِ ..... کے معنی (مصدری) ہوں گے " ...... کے پاس لایا جانا " زیر مطالعہ لفظ " اُتُوابِہ " اسی فعل ماضی مجہول کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے ۔یوں " اُتُوابِہٖ " کا ترجمہ لفظی ہوگا " ان کے پاس لایا گیا وہ (فلاں چیز)" اور اردو مترجمین نے " اُتُوابِہٖ " کا ترجمہ " ان کو وہ دیا ہی جائے گا ، ان کے پاس آئے گا وہ " کیا ہے ۔اور بعض نے فعل ماضی کے ساتھ ہی ترجمہ کیا ہے یعنی " انہیں دیا گیا وہ "۔ جب کہ بہت سے حضرات نے یہاں " بہ " کی ضمیر کو محاورے کی خاطر نظر انداز کرتے ہوئے (کیونکہ اس سے اگلے لفظ " متشابھا " میں اس کا مفہوم (بلحاظ محاورہ) شامل ہو جاتا ہے) لہٰذا انہوں نے " اتوابِ ..... " کا ترجمہ " وہ لائے جائیں گے ، ان کے پاس آئے گا ، ان کو دیے جائیں گے ، ملے گا ان کو ، ان کو ملا کریں گے ، ان کو دیا ہی جائیگا ، کے ساتھ کیا ہے ۔دی یا لائی جانے والی چیز کے لیے (ضمیر " ہ " کا) بلفظ جمع ترجمہ کرنے کی گنجائش " من ثمرۃ " اور " رزقًا " کے الفاظ میں (بلحاظ مفہوم) نکلتی ہے ۔

۲:۱۸:۱ (۹) [مُتَشَابِهًا] کا مادہ "ش ب ہ" اور وزن "مُتَفَاعِلٌ" (متشابہاً بلحاظ شکل منصوب ہے جس کی وجہ "الاعراب" میں بیان ہوگی)۔ اس مادہ سے فعل ثلاثی مجرد استعمال ہی نہیں ہوتا۔ صرف مزید فیہ کے مختلف ابواب (تفعیل، تفعل، تفاعل، مفاعلۃ اور افتعال) سے مختلف معنوں کے لیے آتا ہے۔ ان میں سے قرآن کریم میں اس مادہ سے صرف تفعیل، تفاعل، اور افتعال سے اَفعال' اسماء اور مشتقات کے مختلف صیغے ۱۲ جگہ وارد ہوئے ہیں۔

● لفظ "متشابِہٌ" اس مادہ (شبہ) سے باب تفاعل کا صیغہ اسم الفاعل ہے۔ اس باب سے فعل "تشابہَ یتشابہ تشابُھًا" کے معنی ہیں "باہم ایک دوسرے سے ملتا جلتا ہونا"۔ باب تفاعل کی ایک خصوصیت "مشارکت" ہے۔ یعنی اس میں ہمیشہ کسی کام کے دو فاعلوں کے باہمی فعل کا ذکر ہوتا ہے۔ اس لیے "تشابہَ الشیئُ" کہنا غلط ہے بلکہ کہیں گے "تشابہ الشیئانِ" (وہ دو چیزیں باہم ملتی جلتی ہیں) ــــ یا مثلاً کہیں گے "تشابہ زیدٌ و بکرٌ" یعنی اس فعل کا فاعل ایک نہیں بلکہ دو ہوتے ہیں ــــ اور اس کے اسم الفاعل (متشابہاً) کا ترجمہ بھی صرف "ملنے جلنے والا" نہیں بلکہ "دوسرے سے ملنے جلنے والا"، یعنی "باہم ملتا جلتا" ہوگا۔ اسی لیے مختلف مترجمین نے اس کا ترجمہ "ایک طرح کا، ایک صورت کے، ایک ہی صورت کے، ایک ہی صورت کے، ایک ہی طرح کے، ملتی جلتی صورتیں، ہم شکل اور ملتا جلتا ہوا" کی صورت میں کیا ہے۔ ان سب الفاظ کا مفہوم تو ایک ہی ہے البتہ بلحاظ محاورہ بعض الفاظ دوسروں سے بہتر کہے جا سکتے ہیں۔ یا یوں کہیے کہ بعض مترجمین کا انتخاب الفاظ زیادہ بہتر ہے۔

[وَلَھُمْ فِیْھَا] یہ "وَ" (اور) + "لِ" (کے لیے، لام الجر ضمیر کے مفتوح پڑھا جاتا ہے) + "ھُم" (اُن) + "فِی" (میں) + "ھا" (اس) کا مرکب ہے یوں اس کا ترجمہ ہوگا "اور اُن کے لیے اس میں (ہوگا)" اس کی مزید وضاحت "الاعراب" میں آئے گی۔

۲:۱۸:۱:(۱۰) [اَزْوَاجٌ] کا مادہ " ز و ج " اور وزن " اَفْعَالٌ " ہے۔ یہ جمع کا صیغہ ہے جس کا واحد " زَوْجٌ " بر وزن " فَعْلٌ " ہے۔ اس مادہ سے فعل ثلاثی مجرد " زاجَ(بینھم) یزُوج زوجًا" (باب نصر سے) آتا ہے۔ اور اس کے معنی " (کے درمیان) اشتعال پیدا کرنا، لڑائی ڈالنا" ہوتے ہیں۔ تاہم یہ فعل عربی زبان میں بھی قلیل الاستعمال ہے۔ حتّٰی کہ بعض معاجم (ڈکشنریوں) میں اس کے ذکر کو ہی نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ اور قرآن کریم میں تو یہ فعل (مجرد) کہیں آیا ہی نہیں ـــ البتہ اس مادہ (زوج) سے باب تفعیل کے کچھ صیغے صرف پانچ جگہ استعمال ہوئے ہیں۔ ان پر اپنے موقع پر بات ہو گی۔ ان شاء اللہ۔

● لفظ " ازواج " کا واحد " زوج " ہے اور یہ دونوں لفظ واحد، تثنیہ، جمع، مفرد مرکب، معرفہ نکرہ مختلف حالتوں میں قرآن کریم کے اندر ستّر (۷۰) جگہ آئے ہیں۔

" زَوْج " کے بنیادی معنی ہیں " (کسی چیز کے) جوڑے میں سے ایک"۔ جب پورا جوڑا مراد لینا ہو تو عربی میں صیغۂ تثنیہ استعمال کرتے ہیں یعنی " زوجان" (بصورت رفع) یا " زَوْجَیْنِ " (بصورت نصب یا جر) ـــ زوجین کا مطلب " دو جوڑے یعنی چار افراد " نہیں ہوتا۔ بلکہ " پورا جوڑا " مراد ہوتا ہے مثلاً کہیں گے " زوجا حمامٍ " (کبوتروں کا جوڑا۔ ایک نر ایک مادہ) یا " زوجا نِعالٍ " (جوتوں کا جوڑا یعنی دونوں پاؤں کے لیے)۔ اس طرح " زوجین" کا مطلب " میاں بیوی " بھی ہو سکتا ہے اور " مرد و عورت " بھی۔

● میاں بیوی میں سے ہر ایک دوسرے کا " زوج " ہے (اور تمام " جوڑوں " میں یہی باہمی تعلق ہے یعنی ہر ایک دوسرے (ساتھی) کا زوج ہوتا ہے)۔ اس لفظ " زَوْج " کا کسی حد تک (یعنی صرف میاں بیوی کی حد تک) مناسب مترادف انگریزی کا لفظ SPOUSE ہو سکتا ہے۔ جو شوہر (HUSBAND) اور بیوی (WIFE) دونوں پر بولا جاتا ہے یعنی ہر ایک دوسرے کا SPOUSE ہے۔

اور انگریزی میں بھی یہ لفظ (SPOUSE) زیادہ تر شاہی جوڑے (ملکہ و بادشاہ اور راجہ و رانی) کے لیے بولا جاتا ہے ــــ اس کے مقابلے پر عربی کے لفظ " زَوْج " میں بہت زیادہ وسعت ہے ۔ یہ لفظ صرف میاں بیوی اور مرد و عورت کے لیے ہی استعمال نہیں ہوتا ــــ بلکہ کسی بھی نر و مادہ کے جوڑے کو ــــ وہ حیوانات سے ہوں یا نباتات سے ــــ " زوجَیْن " کہا جاتا ہے ۔ بلکہ یہ لفظ ہر اس چیز کے لیے استعمال ہوتا ہے جو " بصورتِ جوڑا " استعمال ہوتی ہے ۔ جیسے جوتا (نعل) ، جراب (جَورب) ، دستانہ (قفّاز) وغیرہ ۔ یا جن چیزوں کا دو مستقل " ساتھیوں " کے طور پر ذکر کیا جاتا ہو ۔ جیسے دن رات، کڑوا میٹھا وغیرہ فارسی کا لفظ " ہمسر یا جفت " کسی حد تک ان معنی کے قریب ہے۔ اردو میں اس قسم کا کوئی ایک لفظ نہیں ہے ۔ لہٰذا عبارت کے سیاق و سباق کی بنا پر اس کا ترجمہ " خاوند " یا " بیوی " یا صرف " جوڑا " کر لیا جاتا ہے اور اس سے مراد دراصل " جوڑے کا ایک فرد ہوتا ہے ۔

● قرآن کریم میں لفظ " ازواج " (بصیغۂ جمع) آٹھ کے قریب مقامات پر تو مطلقاً کسی چیز کے جوڑے یا "جوڑوں" کے معنی میں آیا ہے ۔ اور تین جگہ (البقرۃ: ۲۳۰ و ۲۳۲ اور المجادلہ : ۱) " خاوند " اور " خاوندوں " کے معنی میں آیا ہے۔ ــــ باقی تمام ــــ پچاس سے زائد ــــ مقامات پر یہ لفظ (ازواج) یا اس کا واحد (زَوْج) بیویوں یا بیوی کے معنی میں آیا ہے ۔ اور ان معنوں میں یہ لفظ اس دنیوی زندگی کے بعض مسائل مثلاً نکاح ، طلاق ، وراثت ، حجاب ، ظہار وغیرہ کے قرآنی احکام کے بیان کے لیے بھی آیا ہے ۔ اور اخروی زندگی کے انعامات کے ضمن میں بھی (کم از کم دس سے زیادہ مقامات پر) مذکور ہوا ہے (اس پر مزید بحث ابھی آگے آ رہی ہے)۔

● عربی میں بیوی کے لیے لفظ " زوجۃ " بھی استعمال ہوتا ہے (جس کی جمع " زوجات " ہوتی ہے) ۔ بعض اہلِ لغت نے لکھا ہے کہ[1] بیوی

---

[1] مثلاً دیکھئے " LANE'S LEXICON " تحت مادہ زوج

کے لیے "زوجۃ" کا لفظ صرف نجد کی بولی میں یا بعض دیگر قبائل عرب کے ہاں استعمال ہوتا ہے مگر حرم (مکہ مکرمہ) یا حجاز کے لوگ میاں بیوی دونوں کے لیے "زوج" ہی استعمال کرتے ہیں۔ (جس کی جمع ازواج ہے) اور اس مقصد کے لیے یہی لفظ قرآن کریم میں آیا ہے (زوجۃ یا زوجات کا لفظ قرآن کریم میں کہیں نہیں آیا) فقہاء بھی التباس سے بچنے کے لیے بیوی کے لیے "زوجۃ" کا لفظ لیتے ہیں۔

۲:۱۸:۱(۱۱) [مُطَهَّرَةٌ] کا مادہ "ط ہ ر" اور وزن "مُفَعَّلَةٌ" ہے اس مادہ سے فعل ثلاثی مجرد "طَهُرَ یَطْهُرُ طَهَارَةً" (باب نصر اور کرم سے) آتا ہے اور اس کے معنی (جسمانی یا روحانی گندگی وغیرہ سے) "پاک صاف ہونا" ہیں۔ قرآن کریم میں اس فعل ثلاثی مجرد کا صرف ایک صیغہ ایک جگہ (البقرہ: ۲۲۲) آیا ہے۔ اور افعل التفضیل کا صیغہ (اطہر) چار جگہ آیا ہے۔ اس کے علاوہ مزید فیہ کے باب تفعیل سے (افعال کے صیغے) ۹ جگہ، باب تفعّل سے کچھ صیغے ۴ جگہ اور مصادر و اسماء مشتقہ کے مختلف صیغے دس جگہ وارد ہوئے ہیں۔ ان سب پر اپنی اپنی جگہ بات ہوگی۔ انشاء اللہ۔

● لفظ "مُطَهَّرَة" اس مادہ (طہر) سے باب تفعیل کا صیغہ اسم المفعول برائے مؤنث ہے۔ اس باب کے فعل "طَهَّرَ..... یُطَهِّرُ تَطْهِیرًا" کے معنی ہیں "..... کو پاک کرنا" (جسمانی یا روحانی یا اخلاقی آلائش سے)۔ اس طرح "مُطَهَّرَة" کے معنی "پاک صاف کی ہوئی" یا مطلقاً "پاکیزہ، پاک" PURIFIED یا PURE ہیں۔ یہ لفظ (مطہّرۃ) قرآن پاک میں پانچ جگہ آیا ہے۔ جن میں سے تین جگہ "ازواج مطہرۃ" کی ترکیب (توصیفی) کے ساتھ آیا ہے۔ اور اس ترکیب کا ترجمہ مختلف اردو مترجمین نے "پاک صاف کی ہوئی بیبیاں، پاک صاف بیبیاں، پاک بیویاں، ستھری عورتیں، صاف ستھری بیبیاں، پاکیزہ عورتیں اور پاکیزہ بیویاں" کی صورت میں کیا ہے۔ ان تمام تراجم میں "زن" یا "عورت" کا لفظ بھی "بیوی" ہی کے ہم

معنی آیا ہے ۔ انگریزی مترجمین نے زیادہ تر لفظ SPOUSE اختیار کیا ہے جو "ازواج" کا موزوں مترادف ہے ۔ فارسی مترجمین نے بیشتر تو "زنانِ پاک شدہ" یا "پاک کردہ شدہ" سے ترجمہ کیا ہے اور بعض نے "جفت ہائے پاک و پاکیزہ" سے ترجمہ کیا ہے یعنی "جوڑے" (جو ازواج کا لفظی ترجمہ ہے) ۔ بہر حال ان تمام تراجم میں "بیوی" کا مفہوم صراحۃً یا اشارۃً موجود ہے ۔ اور قرآن کریم کے دوسرے مقامات سے اور کتب حدیث سے نہ صرف ان معنی کی تائید ہوتی ہے بلکہ اس آنے والی زندگی کے اس (جنسی) پہلو کے بارے میں بعض مزید تفصیلات بھی ملتی ہیں ۔

● ہمارے بعض "روشن خیال" "مفکرین قرآن" کو آخرت کی زندگی کے انعامات میں "بیویوں" کے ذکر سے کچھ ایسی شرم آئی کہ انہوں نے اس ترکیب (ازواج مطہرۃ) کے معنی ہی توڑ مروڑ کر لغت اور نحو کے آسرے پر کچھ یوں نکالے کہ "ازواج" تو لغۃً میاں بیوی) (یا نر و مادہ) دونوں پر بولا جاتا ہے اور "مطہّرۃ" کی تانیث بھی عورتوں کی وجہ سے نہیں بلکہ "جمع مکسر کی صفت عموماً واحد مؤنث آتی ہے" کے اصول پر ہے ۔ لھٰذا "ازواج مطھرۃ" کا ترجمہ "پاکیزہ جوڑے" ہونا چاہیئے ۔ اور چونکہ آیت میں "وَلَهُمْ" (اور ان مردوں کے لیے) بھی موجود ہے لہٰذا پاکیزہ جوڑے کی بجائے "پاکیزہ رفیق" سے ترجمہ کرکے اپنی دانست میں تو انہوں نے آخرت کی زندگی سے "بیوی" کا تصوّر نکال باہر کیا اور اس کی بجائے "COMRADE" (رفیق) کا "دلکش" تصوّر پیش کر دیا ۔

● اور چلیے "ازواج مطھرۃ" (زیر مطالعہ لفظ) کی حد تک تو یہ منطق کچھ کام دے جاتی ہے ۔ مگر اس کا کیا کیا جائے کہ قرآن کریم میں تو آخرت کے انعامات میں "بیویوں" کا ذکر کئی طریقوں سے اور متنوع الفاظ کے ساتھ متعدد مقامات پر آیا ہے ۔ اور بعض جگہ ضمیر جمع مؤنث (هُنَّ) کے ساتھ اور بعض خالص زنانہ صفات کے ساتھ ان کا ذکر آیا ہے (مثلاً دیکھئے الرحمٰن : ۵۶ ، الواقعہ : ۳۶ اور النبأ : ۳۳) ـــــ یہاں منکرین سنّت کو بھی اپنے خود ساختہ تصوّرات کا سہارا لے کر قرآن کریم میں مذکور ایسی "عورتوں" کو آنے والے (دور کے قرآنی معاشرہ" کی "عالی مرتبت

بیگمات' کہنا پڑا۔ اور ان کے بارے میں بیان کردہ قرآنی صفات کے لیے بھی مادہ اور اشتقاق (لغوی) کے جنگل میں گھس کر (عربوں کے محاورہ اور استعمال کو برطرف رکھتے ہوئے) کسی اپنے مفید مطلب معنی کو گھسیٹ کر لے آئے اور اس سے اپنی مرضی کا یا "دور کی کوڑی" والا (FAR FETCHED) "مفہوم" نکال لیا ـــ مثلاً "ابکارا" (الواقعہ : ۳۶) = "اعلیٰ تربیت یافتہ" "عُرُبا" (الواقعہ: ۳۷) = "فصیح اللسان" "اترابا" (الواقعہ : ۳۷) "ہم مزاج، ہم گل" "کواعب" (النباء : ۳۳) = "شرف و مجد کے پیکر" وغیرہ ـــ محض زور قلم کے شیدائی مگر عربی زبان سے ناواقف لوگ ہی اس پر سر دھن سکتے ہیں۔ ورنہ یہ کوئی ایسے لفظ نہیں ہیں جن کے معنی عربی معاجم (ڈکشنریوں) میں مل نہ سکتے ہوں یوں "کولمبس" بننے کی خواہش الگ بات ہے۔ عربی زبان کے بین الاقوامی شہرت کے حامل، پروفیسر عبدالعزیز المیمنی مرحوم ان "لوگوں" کی زبان کے ساتھ اس بازیگری کی بناء پر (جس کے مشاہدہ اور تجربہ کا موقع خود ان لوگوں کے ایک بڑے زعیم نے پروفیسر صاحب کو کراچی میں قیام کے دوران بہم پہنچایا تھا) کہا کرتے تھے: "ایسا لگتا ہے ان لوگوں کا مقصد "لغات القرآن" کو سمجھنا نہیں بلکہ ایک نئی زبان "تصنیف" کرنا ہے۔"

● بات یہ ہے کہ دنیا کو رہبانیت، تجرد اور "برہم چریہ" جیسی ناقابل عمل اور غیر فطری تعلیم دینے والوں کے "اعتراضات" سے گھبرا کر ہمارے ان روشن خیال مفکرین کا "ازواج مطہرات" کی قسم کے الفاظ کے معنی کو توڑنے مروڑنے کے لیے "لغت قرآن" کے کونوں کھدروں میں چھپتے پھرنا، نہ تو دین کی خدمت ہے نہ علم کی علامت ـــ اور آخرت کی زندگی میں عورتوں یا بیویوں کے ذکر سے گھبرانا اور شرمانا بھی یا تو بعض جاہلی اور غیر فطری مذاہب کی تعلیمات کے اثر کی وجہ سے ہے اور یا پھر محض فیشن اور منافقت ہے۔ کیونکہ جنت (اور آخرت) میں زوجیت کے وجود کا قائل ہونے سے شرمانے والے یا اس پر اعتراض کرنے والے اکثر وہ لوگ ہیں جو کسی عورت سٹینو یا سیکرٹری کے بغیر نہ دفتر چلا سکتے ہیں نہ کاروبار ـــ وہ اس سواری میں سفر نہیں کر

سکتے جس میں کوئی من موہن "میزبان" (HOSTESS) نہ ہو ــــ وہ اس مجلس کو مہذب نہیں سمجھتے جہاں بے حجاب اور بے باک عورتیں رونق افروز نہ ہوں ــــ حتیٰ کہ وہ مرنے کے لیے بھی کسی ایسے ہسپتال یا نرسنگ ہوم کو منتخب کرتے ہیں۔ جس میں دم واپسیں تک خوشنما (SMART) نرسوں کے سرہانے موجود ہونے کا امکان ہو ــــ ایسے لوگوں کو یہ کیوں کر زیب دیتا ہے کہ وہ قرآن میں "پاکیزہ بیوی" کے ذکر سے بھی چڑیں۔ حقیقت یہ ہے کہ دوسری حسی، ذہنی اور روحانی استعدادوں کی طرح جنسی استعداد اور اس کی "پاکیزہ تکمیل" بھی کامل اور مکمل انسان کی شخصیت کا لازمی حصہ ہے اور اگر انسانی شخصیت (HUMAN PERSONALITY) کی لقاء کو تسلیم کرنا ہے تو اس کی پوری شخصیت (ENTIRELY, IN TOTALITY) کی لقاء کو ماننا پڑے گا۔ محض ایک ذہنی یا تجریدی (ABSTRACT) قسم کی لقاء تو اس کی تکمیل نہیں بلکہ اس میں ایک کمی ہے۔ نقص ہے۔ اور اس بارے میں اسلام کا موقف بالکل معتدل اور حقیقت پسندانہ (REALISTIC) ہے۔ باقی تمام نظریات یا تو افراط و تفریط کا مظہر ہیں یا کسی نفسیاتی وہم (COMPLEX) کا نتیجہ۔

● اس کے ساتھ یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ قرآن کریم میں آخرت کی جن نعمتوں اور لذتوں کا (یا جن سزاؤں اور دکھوں کا) ذکر آیا ہے ان کا معاملہ ایک لحاظ سے اللہ تعالیٰ کی صفات کے بیان کی طرح ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی مختلف صفات کا بیان بشری محسوسات کے مطابق ہی کیا گیا ہے۔ مگر ساتھ "لیس کمثلہ شیئ" (الشوریٰ : ۱۱) کہہ کر ہر قسم کی مماثلت اور مشابہت کی بھی نفی کر دی گئی ہے ــــ اسی طرح آخرت کی نعمتوں کے بیان سے بھی بنیادی طور پر تو ہماری اپنی بشری محسوسات ہی کی روشنی میں ایک تصور ابھرتا ہے مگر قرآن کریم میں یہ بھی کہہ دیا گیا ہے کہ یہ نعمتیں انسانی علم کی رسائی سے ماوراء ہیں۔ "فلا نعلم نفس ما اخفی لھم من قرۃ اعین (.... السجدہ : ۱۷) اور اسی کی تفسیر میں صحیحین کی مرفوع حدیث میں آیا ہے۔ " اعددت لعبادی الصالحین ما لا عین رأت ولا

اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر۔" (میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے وہ چیز تیار کی ہے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی ، نہ کسی کان نے سنی اور نہ ہی کسی انسان کے دل میں اس کا خیال تک آیا یا آسکتا ہے)۔ تو جو چیز انسانی تخیل و تصوّر کی دسترس سے بھی ماوراء ہے اس کو اپنی دنیاوی نعمتوں اور لذتوں پر قیاس کرنا بھی غلط ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ آخرت کی نعمتوں (یا سزاؤں) کا جو ذکر قرآن کریم میں آیا ہے ان کی حقیقت ان الفاظ سے بھی قریب تر ہی ہوگی جن میں قرآن کریم نے ان کو بیان کیا ہے یا جس طرح صحیح احادیث میں ان کا بیان آیا ہے۔ تاہم اس کی اصل حقیقت امور غیبیہ (الغیب) میں سے ہے ہم اس کی صداقت پر ایمان رکھتے ہیں اور کہتے ہیں " آمنا بہٖ کل من عند ربنا " (آل عمران : ۷)۔ ان کی حقیقت نوعیت اور تفصیلات کا جاننا نہ ضروری ہے اور نہ ہی ممکن ۔ بھلا آپ چھ ماہ یا ایک سال کے بچّے کو ان نعمتوں اور لذتوں یا دکھوں اور پریشانیوں کا تصور کیوں کر دے سکتے ہیں جن سے خود اس کو تیس چالیس سال کی عمر میں واسطہ پڑے گا۔

● اس کتاب میں ہمارا مقصد تفسیرِ قرآن کی باریکیوں میں جانا ہرگز نہیں۔ ہمارا اصل دائرہ " لغات و اعراب" ہی ہے۔ تاہم یہاں ہمیں اس بحث میں اس لیے الجھنا پڑا کہ یہاں " لغات" کے نام پر ہی "گھپلا" کرنے کا ایک نمونہ سامنے آیا۔ ــــ اور اس سے یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جب کوئی آدمی قول رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بے نیاز ــــ بلکہ اس کا منکر ــــ ہو کر قرآن کریم کو صرف زبان (لغت و نحو) کے زور پر سمجھنا چاہتا ہے اور وہ بھی اہلِ زبان کے محاورے اور استعمال کی بجائے صرف زبان کی مبتدیانہ معلومات کی بناء پر اور معجم (ڈکشنری) میں بیان کردہ مختلف معانی میں سے کسی ایک مفیدِ مطلب بات میں کھینچا تانی کر کے کچھ نہ کچھ نکال لانے پر تُل جاتا ہے تو اس کے ذہن کی کجی (زیغ ِقلب) کے باعث اس پر کیا کیا " انکشافات" ہوتے ہیں۔

(حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

● اور یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ آخر یہ لوگ اس نئی معنی آفرینی سے کس کو مطمئن کرنا چاہتے ہیں۔ کوئی عربی دان یہودی یا عیسائی تو ان لوگوں کے اس معذرت خواہانہ (APOLOGETIC) جدید "مفہوم" کو قبول کر کے تعلیماتِ قرآن پر اعتراض کرنے سے باز نہیں آنے کا۔ عربی زبان سے ناواقف اور سنّتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر و مخالف لوگ ہی ان "انکشافات" پر سر دھنیں تو دھنیں۔ اس قسم کے بعض مقامات آگے چل کر بھی ہمارے سامنے آئیں گے۔

[وَهُمْ فِيهَا] = وَ (اور) + هم (وہ سب) + فِي (میں) + هَا (اس) کا مرکب ہے یہ سب الفاظ کئی بار گزر چکے ہیں۔ ترجمہ ہوگا "وہ سب اس میں"....

۲ : ۱۸ : ۱ (۱۲) [خَالِدُونَ] (یہ اس لفظ کا رسم املائی ہے۔ رسم قرآنی پر آگے "الرسم" میں بات ہوگی)۔ اس لفظ کا مادہ "خ ل د" اور وزن "فَاعِلُونَ" ہے۔ اس مادہ سے فعل ثلاثی مجرد "خَلَدَ يَخْلُدُ خُلُودًا و خُلْدًا (باب نصر سے) آتا ہے۔ اور "بَقِيَ اور دَامَ" کے معنی دیتا ہے یعنی "کسی جگہ ہمیشہ کے لیے رہنا۔ آخر تک رہنا۔ کسی جگہ مسلسل بسنا" ــــ لفظ "خَالِدُونَ"

لہ ان لوگوں کی زبان کے ساتھ اس قسم کی دھاندلی کو یوں سمجھیے کہ مثلاً انگریزی کے لفظ "KIND" کے عام ڈکشنری میں کم از کم تین معنی تو موجود ہیں یعنی (۱) مہربان (۲) قسم اور (۳) جنس یا سامان (بمقابلہ "نقد" مثلاً)۔ اب اگر کوئی آدمی کسی عبارت میں ان تینوں میں سے ایک مقررہ معنی ہی مراد لینا چاہے (قطع نظر اس بات کے کہ عبارت اسے قبول کرتی ہے یا نہیں) اس لیے کہ وہ معنی ڈکشنری میں بہرحال موجود ہے تو کیا اہل زبان ایسے آدمی کو احمق نہیں کہیں گے؟ کسی عبارت میں کسی لفظ کے معنی (مراد) کو اہل زبان کا محاورہ اور سیاق و سباق متعین کرتا ہے نہ کہ صرف ڈکشنری۔ یا اس کے ساتھ بازیگری ــــ اور قرآن کریم کے معاملے میں تو ماثور معنی کو مقدم رکھنا بھی ضروری ہے۔

(جو "خالدٌ" کی جمع مذکر سالم ہے) اس فعل مجرد سے اسم الفاعل کا صیغۂ جمع ہے اور اس کے لفظی معنی تو ہیں "ہمیشہ رہنے والے' بسنے والے" اردو کے بعض مترجمین نے تو اسی طرح تحت اللفظ ترجمہ ہی کیا ہے۔ مگر اکثر نے اردو محاورے کا لحاظ رکھتے ہوئے "ہمیشہ رہیں گے' یا "ہمیشہ کے لیے ہوں گے" کی صورت میں ترجمہ کیا ہے۔ جو محاورہ اور مفہوم کی بناء پر ہی درست ہے ورنہ بظاہر تو یہ "خالدون" کی بجائے "یخلدون" کا ترجمہ لگتا ہے۔

● اس فعل مجرد (خلَد یخلُد) سے فعل کے صرف دو صیغے اور مزید فیہ کے بابِ افعال سے بھی فعل کے صرف دو ہی صیغے قرآن کریم میں آئے ہیں۔ البتہ ثلاثی مجرد اور مزید فیہ کے بعض مصادر اور اسماء مشتقہ ۸۰ سے زائد جگہ آئے ہیں۔ جن میں زیادہ لفظ "خالدٌ" اور اس کے تثنیہ اور جمع سالم کے صیغوں کی ہے۔

بقیہ: رودادِ اجلاس

(iv) اجتماع نماز عصر کے متصلاً بعد شروع ہوگا جس میں باہمی تعارف اور تبادلۂ خیال کے ساتھ ساتھ اراکین کی تواضع Light Refreshment سے کی جائے گی۔ (اس میں سادگی کو ملحوظِ خاطر رکھا جائے)

(v) بعد نماز مغرب محترم صدر مؤسس کا درسِ قرآن ہوگا جس میں شرکت کے لئے اراکین انجمن کے علاوہ دیگر احباب اور اس علاقہ کے مکین بھی مدعو کئے جائیں گے۔

(vi) درس قرآن کی یہ محفل میزبان کی رہائش گاہ پر بھی منعقد کی جا سکے گی اور اگر قریب کی مسجد میں مناسب بندوبست ہو سکے تو یہ بات زیادہ پسندیدہ ہوگی۔

(vii) اس اجتماع کے لئے اخبار میں ایک اشتہار دیا جائے گا۔ اس پر اندازاً ۲۰۰۰/.. روپے خرچ ہوں گے جو میزبان کے ذمہ ہوں گے (اس ضرورت کا احساس سالانہ اجلاس کے بعد ہوا ہے)

خطاب کے اختتام پر محترم صدر مؤسس نے دُعا فرمائی اور ناظمِ اعلیٰ نے شرکائے محفل کو اللہ حافظ کہا۔

○○○

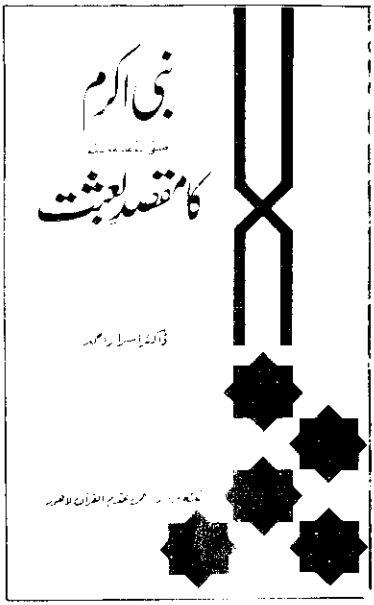

اشاعتِ خاص ۔/۱۲ روپے، عام ۔/۶ روپے

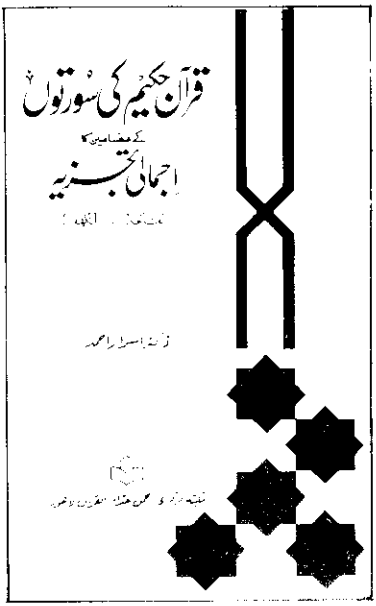

اشاعتِ خاص ۔/۴۰ روپے، عام ۔/۲۰ روپے

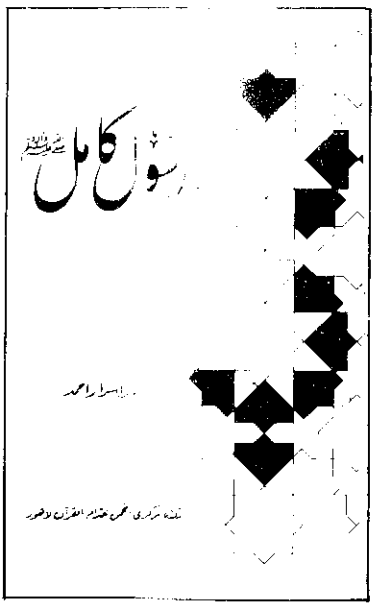

اشاعتِ خاص ۔/۱۲ روپے، عام ۔/۵ روپے

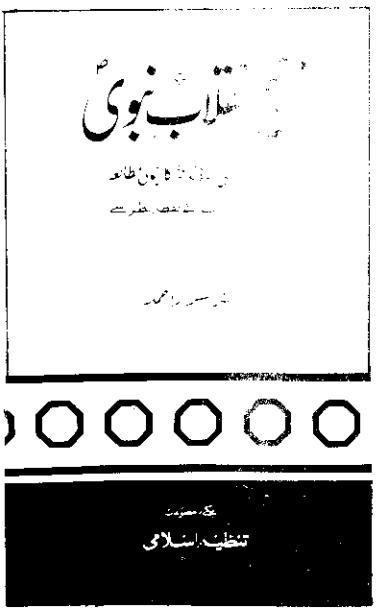

اشاعتِ خاص ۔/۶۰ روپے، عام ۔/۳۰ روپے

JUNE 1991 Regd No. L. No. 8193

MONTHLY
HIKMAT_E_QURAN
LAHORE

VOL. 10
NO. 6

مرکزی **انجمن خدّام القرآن** لاهور

کے قیام کا مقصد

منبعِ ایمان — اور — سرچشمۂ یقین

قرآنِ حکیم

کے **علم و حکمت** کی

وسیع پیمانے — اور — اعلیٰ علمی سطح

پر تشہیر و اشاعت ہے

تاکہ امتِ مسلمہ کے فہیم عناصر میں **تجدیدِ ایمان** کی ایک عمومی تحریک بپا ہو جائے

اور اس طرح

اسلام کی نشأۃِ ثانیہ — اور — غلبۂ دینِ حق کے دورِ ثانی

کی راہ ہموار ہو سکے

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ